مارچ تا اپریل

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپریس روڈ - لاہور

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

جلد ۵	مارچ - اپریل ۱۹۸۶ء بمطابق رجب، شوال ۱۴۰۶ھ	شمارہ ۱، ۲

——— یکے از مطبوعات ———

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴

فون: ۸۵۲۶۱۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بیکری - نشا[illegible]ت - کراچی (فون: ۲۱۶۵۸۶)

سالانہ زرِ تعاون - /۳۰ روپے   فی شمارہ - /۵ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

فہرس

❖ حکمت و عبر ——— (مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی) ——— ۵

❖ اُمتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل ——— ۲۰
(سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)
——— ڈاکٹر اسرار احمد

❖ ہدایت القرآن (۷) ——— ۳۶
——— مولانا محمد تقی امینی

❖ سیرت و سوانح (۴) ——— ۴۳
حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ
——— نصرت علی انثیر

❖ "حیاتِ سلیمانی کا ایک اہم ورق" پر ایک نظر ——— ۵۱
——— لطیف اللہ

❖ فتنوں کی نئی فصل ——— ۶۲
——— مولانا محمد یوسف بنوریؒ

❖ چند یادیں۔ چند باتیں ——— ۶۹

نعت ——— ۷۲
——— سلیم فاروقی

❖ تبصرہ کتب ———
——— ادارہ

❖ بھارتی مسلمان اور راجیو گورنمنٹ ——— ۸۰

❖ صنفِ نازک کا مسئلہ ——— ۸۴

❖ مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماء کرام کا تبصرہ ——— ۸۹

❖ عائلی قوانین کے پردے میں! ——— ۱۰۳
(بھارت میں ایک نئی مسلم کش مہم)
——— ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ اوّلہٗ وآخرہٗ

قرآن مجید کی آخری منزل

سورۃ قٓ — تا — سورۃ النّاس

دعوت الی اللہ اور اِنذارِ آخرت

کے اعتبار سے اہم ترین ہے — اِن شاء اللہ العزیز

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مسلسل درس قرآن جس میں کچھ عرصہ سے بے قاعدگی ہو رہی تھی
آئندہ پابندی کے ساتھ ہر ہفتہ کو بعد نماز مغرب

قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن

میں ہوگا اور آج ہفتہ ۸ مارچ سورۃ قٓ کے درس کا آغاز ہوگا

خواتین کے لیے بھی اہتمام ہوگا

ع "صلائے عام ہے..."

(Saeed)

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

طالبانِ علم و فہم قرآن کی سہولت کے لیے انجمن خدام القرآن نے حسب ذیل چار روٹوں پر

مفت بس سروس

چلانے کا اہتمام کیا ہے:

(۱) **رچنا ٹاؤن** سے شاہدرہ، راوی روڈ، بھاٹی گیٹ، سیکرٹریٹ چوبرجی، سمن آباد موڑ، چوک یتیم خانہ، علامہ اقبال ٹاؤن، یونیورسٹی کیمپس، مڑھیاں، اکیڈمی۔

(۲) **ریلوے سٹیشن** سے لکشمی چوک، میو ہسپتال، جی پی او، مزنگ روڈ، چوک قرطبہ، اچھرہ، ماڈل ٹاؤن موڑ سے بی۔ سی۔ ڈی اور ای بلاک ہوتے ہوئے قرآن اکیڈمی۔

(۳) **صدر بازار** سے دھرمپورہ، گڑھی شاہو، شملہ پہاڑی، چیئرنگ کراس، لارنس روڈ، شادمان کالونی، شاہ جمال کالونی، جامعہ اشرفیہ، گارڈن ٹاؤن، مڑھیاں، اکیڈمی۔

(۴) **آر اے بازار** سے والٹن روڈ، پیر کالونی، قینچی، کوٹ لکھپت سیکٹر اے ون۔ ٹاؤن شپ مین مارکیٹ، فیصل ٹاؤن (فلیٹ) سے ہوتے ہوئے کے بلاک قرآن اکیڈمی۔

{ یہ بسیں آج اپنے ابتدائی مقام سے ٹھیک پانچ بجے چلیں گی
اور درس کے اختتام پر واپس ان ہی راستوں سے جائیں گی }

مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

حکم و عبر

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

تزکیہ

۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو بعد نماز مغرب جامع القرآن، قرآن اکادمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں "تنظیم اسلامی لاہور" کے ماہانہ اجتماع میں امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے زیر صدارت جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب، حافظ عاکف سعید صاحب اور مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب نے تربیتی نقطہ نظر سے تقریریں کیں، جو بے حد پسند کی گئیں، مولانا علوی صاحب کا زیادہ حصہ تحریر کی شکل میں تھا جس میں بعض اضافے انہوں نے بعد میں کئے۔ اور اس پر نظر ثانی بھی کی۔ یہ تحریر بصد مسرت شامل اشاعت کی جا رہی ہے۔

(ادارہ)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ کی ہے۔ اس کا نمبر ۱۲۹ ہے۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے جب اپنے فرزند ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت و رفاقت میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تو اس وقت اپنے رب کے حضور کچھ دعائیں کیں جن میں سے ایک دعا کا ذکر اس آیت میں ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ ——

"اور خدایا (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو، وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے، اے پروردگار بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے!"

اللہ تعالیٰ نے ان کی سبھی دعاؤں کو قبول کیا اور یہ دعا جس میں ایک عظیم المرتبت رسول کی بعثت کی درخواست تھی اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بعثت کی شکل میں قبول

فرمایا: خالد بن معدان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

ان نفرًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالوا لہ یا رسول اللہ اخبرنا عن نفسک؟ قالوا نعم! انا دعوۃ ابی ابراھیم و بشری عیسٰی (القرطبی ص۱۳۱ - ج ۲)

(ترجمہ) "صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات نے درخواست کی کہ ہمیں اپنے متعلق کچھ بتلائیے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں! میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہوں۔"

ایک روایت میں اس کے بعد ایک لفظ اور بھی ہے کہ "ورؤیا امی" (اور میں اپنی والدہ محترمہ کا خواب ہوں۔

اور خود قرآن عزیز نے تین مقامات پر حضور اقدس علیہ السلام کی بعثت کا ذکر کیا تو ٹھیک ٹھیک اسی انداز سے اور جن خصائل کے مالک نبی کی درخواست سیدنا خلیل اللہ نے کی تھی، انہی کا ذکر کرکے بعثت رسول سے خلق خدا کو آگاہ کیا۔ ایک آیت سورۂ بقرہ ہی میں ہے۔ جس کا نمبر ۱۵۱ ہے دوسری آل عمران میں ہے جس کا نمبر ۱۶۴ ہے اور تیسری الجمعہ میں ہے۔ جس کا نمبر ۲ ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (الآیہ)

کہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ)

اس میں ایک لفظ "یُزَکِّیْھِمْ" آیا ہے، ہماری گفتگو اس وقت اسی کے حوالہ سے ہوگی۔ لیکن اس سے قبل "القرطبی" نے ان چار چیزوں سے متعلق جو لکھا اسے ملاحظہ فرمالیں:

ان الآیات تلاوۃ ظاھر الالفاظ، والکتاب معانی الالفاظ والحکمۃ الحکم وھو مراد اللہ بالخطاب من مطلق ومقید ومفسر ومجمل وعموم وخصوص..... الخ (ص۱۳۱، ج ۲)

(ترجمہ) آیات کی تلاوت سے مراد قرآن عزیز کے ظاہری الفاظ کی تلاوت ہے، تعلیم کتاب کا مقصد الفاظ کے معانی کو سکھلانا ہے اور "الحکمۃ" سے مراد "الحکم" ہے

یعنی خطاب میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو اس طرح ظاہر کرنا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ مطلق ہے یا مقید، مفسر ہے یا مجمل، عام ہے یا خاص۔۔۔۔ الخ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "الحکمۃ" سے متعلق یہاں "مبادی تدبر قرآن" کے حوالہ سے کچھ گذارشات پیش کر دی جائیں۔

"حکمت کوئی خارجی چیز نہیں بلکہ خود قرآن کا حصہ ہے، اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ "حکمت" کے لئے بھی قرآن میں "یُتلی" "انزل" اور "اُوحِیَ" جیسے الفاظ آئے ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے دلائل و براہین کو "حکمتِ بالغہ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود قرآن کو "قرآن حکیم" کہا گیا (القمر: ۵ و یٰسٓ: ۲) وغیرھا من الدلائل ـــــ لغت میں "حکمت" سے مراد وہ قوت ہوتی ہے جو صحیح فیصلہ کا سرچشمہ ہو۔ جیسے قرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے ہے۔ "اٰتَیْنَاہُ الْحِکْمَۃَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ" (ص، ۲۰) یعنی "ہم نے اسے حکمت دی اور فیصلہ کن بات کرنے کی لیاقت" ـــــ اہل عرب اس لفظ کو اس قوت کے لئے استعمال کرتے تھے جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافتِ اخلاق دونوں کی جامع ہو اور عاقل و مہذب آدمی کو حکیم کہتے ہیں۔ نیز حکمت سے مراد "فصل خطاب" بھی ہے۔ جس سے مقصود ایسی پکی بات ہے جو عقل اور دل دونوں کے نزدیک واضح ہو۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اس کے اعلیٰ ترین مفہوم کے لئے استعمال کیا یعنی وحی کے لئے، وحی کو جس طرح نور، برہان، ذکر، رحمت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اسی طرح لفظ "حکمت" سے بھی تعبیر کیا اور اسی پہلو سے قرآن مجید کا نام "حکیم" رکھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت، کلام اور متکلم دونوں میں پائی جاتی ہے، اس کی حقیقت وہ استحکام اور پختگی ہے جو دانشمندی پر مبنی ہو، جس طرح آگ حرارت سے معلوم کی جاتی ہے۔ اسی طرح حکمت اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے۔ جب یہ کسی شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر حق شناسی کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے حق نکلتی ہے اور اس سے جو فعل صادر ہوتا ہے ٹھیک صادر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں "لقمان" حکیم کے قصہ میں اور حدیث میں بھی اس کے اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور اس کا ہاتھ ہے جس کا حدیث میں ذکر ہوا۔

۔۔۔ الخ (ص ۹۹ تا ص ۱۰۵ خلاصہ)

اب آئیں "یزکیھم" کی طرف، تو "قرطبی" ہی رقم طراز ہیں کہ "اے یطھرھم من دنس الشرک یعنی وسخ الشرک (شرک کی گندگی و آلودگی سے انہیں پاک کرتا ہے۔) والزکاۃ تطھیر:

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

الزکوٰۃ ماخوذۃ من زکا الشی اذا نما وزاد۔

(جب کسی چیز میں نمو ہو اور وہ بڑھ جائے اور اس میں اضافہ ہو جائے) (تفسیر عثمانی ص۹۲)

۔اور فرماتے ہیں "رجل زکی" "زائد الخیر" انسان کو کہا جاتا ہے (القرطبی ص۳۴۳ ج ۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی "تزکیہ" سے متعلق فرماتے ہیں "نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا۔ (تفسیر عثمانی ص۹۲)

ایک مفسر نے لکھا کہ:

"زکا" کھیتی پر بولا جاتا ہے جب اس میں نمو اور برکت حاصل ہو اور "تزکیہ" نفس کو خیرات و برکات سے بڑھانا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ فعل تزکیہ کبھی تو بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے اکتساب کرتا ہے جیسے سورۃ الشمس کی آیت ۹ میں ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (بیشک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا)

اسی طرح سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۴ میں ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (بیشک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا)

اور کبھی اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ حقیقت میں "مزکی" وہی ہے۔ سورۃ نور کی آیت ۲۱ کا ایک ٹکڑا ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔)

اور کبھی یہ لفظ نبی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ واسطہ ہوتا ہے یعنی اس کی باتوں اور اس کے نمونہ سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے جیسے حضور علیہ السلام سے متعلق دعا اور جواب دعا پر مشتمل آیات میں لفظ تزکیہ استعمال ہوا۔

مولانا امین احسن اصلاحی "تدبر قرآن" میں "يُزَكِّيْهِمْ" کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "تزکیہ کے دو مفہوم ہیں کہ پاک صاف کرنا۔ نشو و نما دینا اور یہ دونوں ہی باتیں لازم و ملزوم ہیں اس لئے کہ جو چیزیں مفاسد سے پاک ہوں گی وہ فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان بھی چڑھیں گی"۔

آگے فرماتے ہیں :

"انبیاء جو تزکیہ کرتے ہیں اس میں دونوں باتیں ہوتی ہیں، وہ اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک کرتے ہیں اور ان کے اعمال و اخلاق کو نشو و نما دے کر مفاسد کے بالمقابل استقامت کی قوت بھی پیدا کرتے ہیں۔ (تدبر، صـ ۲۹۸، ج ۱)

اس موقع پر ایک سوال ضرور سامنے آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں پہلے تلاوت آیات کا ذکر ہے، پھر تعلیم کتاب و حکمت اور آخر میں تزکیہ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر بعثتِ نبوی کا مختلف انداز سے جو ذکر فرمایا اس میں ترتیب میں البتہ فرق ہے، اصولاً باتیں وہی ہیں ـــــ ترتیب میں آیات کی تلاوت کے بعد "تزکیہ" کا ذکر آیا پھر تعلیم کتاب و حکمت کا ـــــ ایسا کیوں ؟

اصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی عمل و ارشاد پر ہمیں "کیوں" کا حق ہی نہیں، تاہم اس میں جو خاص رمز و اشارہ ہے یا اس کی جو حکمت ہے اس کی غرض سے یہ سوال سامنے آیا۔ تو اس کا جواب کچھ اس طرح ہے کہ انسانی شخصیت، فکر و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ غلط فکر سے غلط عمل ہی جنم لے گا جبکہ صحیح عمل کے لئے تصحیح فکر لازمی ہے۔ فکر صحیح ہو جائے تو غلط خیالات و فاسد افکار از خود دور ہو جائیں گے، قرآن عزیز کا اصل "فلسفۂ تزکیہ" یہی ہے، جس کے لئے مصنوعی تدابیر کی چنداں ضرورت نہیں (جس کا ذکر آئندہ چل کر حکیم امت تھانوی قدس سرہ کے حوالہ سے آرہا ہے) بلکہ تزکیۂ عمل لازمی نتیجہ ہے تطہیر فکر کا اور وہ فطری ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا، اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ادلیہ میں تلاوت سے بعد معاً تزکیہ کا ذکر کیا ـــــ بقول مولانا اصلاحی :

"پس تلاوت آیات کے بعد مذکورہ بالا آیات میں تزکیہ کا ذکر آرہا ہے۔ تو یہ درحقیقت نتیجہ ہے تلاوت آیات کا، اللہ کی آیات کی تلاوت سے انسان کے دل سے باطل خیالات و عقائد کی جڑیں جب کٹ جاتی ہیں تو اس کے دل کی زمین صحیح خیالات و عقائد کی تخم ریزی کے لئے بالکل پاک و صاف ہو جاتی ہے۔

(مبادی تدبر قرآن صـ ۹۰ - ۸۹)

اور پھر ایسے دل میں تعلیم کتاب و حکمت اپنے اصل برگ و بار پیدا کرتی ہے اور پھر انسان صحیح معنوں میں "عبداللہ" (اللہ کا بندہ) بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں مختصر بحث "نبی اکرم علیہ السلام کا مقصد بعثت" (ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) نامی

کتابچہ میں ملاحظہ فرمالیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ حضرت حکیم امت تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب "تجدید تصوف وسلوک" دیکھ لیں۔

نبی مکرم علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن دین کی امانت امت کے سپرد کر گئے۔ اور "حجۃ الوداع" کے موقع پر "فلیبلغ الشاھد الغائب" کی نصیحت وحکم بھی فرما گئے۔ امت کے رجال دین نے اس امانت کی جس طرح حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا وہ بلاشبہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہے، لیکن اس وقت اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اس وقت گفتگو اس رخ پر ہے جس کا تعلق "تزکیہ" سے ہے۔ صدیوں سے اس خاص مقصد کی غرض سے "تصوف" کی اصطلاح چل رہی ہے اور مختلف لوگ اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ یہ بات اہل دین اور بالخصوص مقصدیت کے حامل افراد کے لئے مناسب نہیں، ان کی توجہ اور نظر ہمیشہ مقصد پر رہنی چاہیئے اور ان میں یہ احساس بیدار رہنا لازم ہے کہ دل کا معاملہ سب سے زیادہ نازک ہے۔ اور اس کی اصلاح بے حد ضروری ہے، ورنہ کوئی کام نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔

تصوف کیا ہے؟ یہ اصطلاح کب سے شروع ہوئی، اس کا موجد کون ہے۔ اس انداز کے سوال وہ لوگ تو کر سکتے ہیں جنہیں زندگی میں صرف نظریاتی بحثوں میں وقت گزارنا ہے۔ اور جن کے پیش نظر کام ہے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کرتے بلکہ جہد وسعی میں لگے رہتے ہیں ـــــ تاہم ایک مخلصانہ مشورہ کے طور پر اتنی گذارش کرنے میں حرج نہیں کہ دین اسلام، دین قیم ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی یا اعوجاج (ٹیڑھاپن) نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول، سید کائنات محمد عربی علیہ السلام کے ذریعے مکمل شکل میں ہمارے سپرد فرمایا ـــــ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور اکرم علیہ السلام کے مقاصد بعثت یا دوسرے لفظوں میں فرائض نبوت میں ایک اہم مقصد وفرض "تزکیہ" ہے۔ اس کا جو مفہوم ومعنی ہے وہ بھی مختصراً سامنے آچکا ہے۔ اس کی نہایت خوبصورت ترجمانی "حدیث جبریل" میں ہے جب سیدنا جبریل علیہ السلام حضرت نبی کریم علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں:

فاخبرنی عن الاحسان؟

"احسان" سے مراد بقول حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ "اخلاص" ہے جو شرط ہے، ایمان واسلام کی صحت کے لئے "ـــــ بلکہ چند لفظ بعد "القاریؒ" فرماتے ہیں:

والاظہر ان المراد بہ احسان العمل وھو احکامہ واتقانہ وھو یشتمل الاخلاص ومافوقہ من مرتبۃ الحضور مع اللہ ونفی

الشعور عما سواہ (صہ ۵۹ ج ۱)

یعنی "واضح اور ظاہر معنی یہ ہے کہ اس سے مراد "احسانِ عمل" ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اس سے ڈرنا ہے اور یہ اخلاص پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرتبہ حضوری اور اس کے ماسوا کی نفی پر بھی مشتمل ہے"۔

اس سوال کے جواب میں حضور علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ بھی اسی کی دلیل ہے ۔

ارشاد ہے :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ کم ازکم یہ تو یقین رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

اہلِ تزکیہ و احسان (صوفیاء) عبادت کا معنی کرتے ہیں :

ان العبادۃ حفظ الحدود والوفا بالعھود وقطع العلائق والشرکاء عن شرک والفناء عن مشاھدتك فی مشاھدۃ الحق ـــــ الخ،

(مرقات صہ ۶۰ ج ۱)

حدودِ الٰہی کی حفاظت، عہد وپیمان کو پورا کرنے، ماسوی اللہ کے تعلقات اور شرکاء کے شرک کو قطع کرنے، اپنی شخصیت و مشاہدہ کو حضرت حق کے مشاہدہ اور اس کی عظمت میں فنا کر دینے کا نام عبادت ہے ۔

اس مختصر تشریح سے "مقصد تزکیہ" خوب واضح ہو جاتا ہے اور یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس تزکیہ کا مقصد "احسان" یعنی اخلاص اور حضوریٔ قلب کی شکل میں سامنے آتا ہے، وہی مقصود ہے اور اسی کے حصول پر پورے عمل و کردار کی اصلاح کا دار و مدار ہے ـــــ اس لئے ایسے محققین اہلِ صدق و صفا کی کمی نہیں جو اس جدید اصطلاح "تصوّف" کے بجائے "احسان" ہی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے سنّت سے ثابت اعمال و اصطلاحات کی اہمیت، برکت اور عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اسی اصطلاح یعنی "احسان" کو اپنا لیا جائے تو بڑا ہی مفید ہے۔ ایسا کرنے سے "بدعت" کے سبب جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جس طرح "نورِ سنّت" سے محرومی ہوتی ہے، اس سے بھی ہم بچ جائیں گے۔ اور سنّتِ مقدسہ کی ترویج و اشاعت اور اس کے "زندہ" کرنے کا ثواب حاصل کر پائیں گے۔ جو ایک بندۂ مومن کا طرّۂ امتیاز ہے

قریبی دور کے "اہل احسان" میں حکیم امت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک بہت بڑے انسان ہو گذرے ہیں، جنکی اردو زبان کی تفسیر "بیان القرآن" کو دیکھ کر امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اس تفسیر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اردو کا دامن بھی علم سے خالی نہیں۔ اور یہی مولانا تھانوی تھے کہ سید الملۃ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب ان سے بیعت طریقت کی تو پھر ان کا رنگ ہی بدل گیا، حتیٰ کہ راولپنڈی میں میرے ایک مرحوم بزرگ حافظ ریاض احمد اشرفی کے ذخیرہ میں ان کا ایک خط موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے بہت سے "تفردات" سے رجوع کیا اور یہ لکھا کہ جس سلیمان کو آپ تلاش کر رہے ہیں، مدت ہوئی وہ مر گیا۔

انہی مولانا تھانوی کی مجلسی گفتگوؤں کا ایک مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ذمہ دار بزرگ کا مرتب کردہ موجود ہے۔ اس میں ایسے ہی مسائل کے ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو چیز انسان کے لیے جتنی زیادہ ضروری ہے اس کا حصول اتنا ہی سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے، سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبراً ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے بچنا چاہے تو بچ نہ سکے .... اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا یہ عام نفع کی چیز ہے، اس کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ فطرۃً اس کا آسان ہونا لازمی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا دیا اور غیر ضروری اصول و اعمال کو تصوف سمجھ لیا۔ حالانکہ تصوف کچھ اور ہی ہے، وہ تو فقط توجہ الی اللہ ہے جس میں اس یقین کا ہونا ضروری ہے کہ ہم توجہ کریں گے تو وہ ہم سے زیادہ توجہ کرے گا (جیسا کہ حدیث میں ہے) اس میں کسی نفلی عمل کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ تکمیل فرائض ضروری ہے ـــــ اس سلسلہ میں مسند احمد میں ایک روایت بھی ہے کہ کسی نے کسی سے متعلق کہا انی لَاَ بْغَضُ ھٰـذا ؟ تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا اس بغض کا سبب؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں کبھی نفلی نماز وغیرہ میں مشغول نہیں دیکھا، انہوں نے کہا آپ نے مجھ سے کبھی فرائض میں کوتاہی دیکھی؟ کہا نہیں ـــــ فرمایا بس میں اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں اور پھر وہ دونوں پیغمبر اقدس کے حضور گئے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی کہ یہ درست کہتے ہیں۔ (صـ۲۰۰، ۲۰۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اصولِ تصوف" محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو اور احکام شرعیہ

کا اہتمام، اس کے علاوہ جو اشغال ہیں وہ ضرورۃً ہیں۔ اس طریق کا جزو نہیں۔ (ص۲۱۶)
مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"طریقت اور تصوّف نام ہے شریعت پر مکمّل اور پورے پورے عمل کا (اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً (الآیہ۔البقرہ) اعمالِ ظاہرہ کی طرح اعمالِ باطنہ بھی ہیں اور ان کی اصلاح بھی لازم ہے، اس میں سب سے پہلے عقائد کی درستی ہے پھر اخلاق کی اصلاح، تکبّر، حسد، بغض، حرص، حبِ جاہ و مال سے بچنا، تواضع، قناعت، صبر، شکر، اللہ تعالیٰ سے محبّت، اللہ کے رسوؐل کی کامل اطاعت، ان کو حاصل کرنا ہی ساری طریقت و تصوّف ہے"

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الیواقیت والجواھر" میں لکھتے ہیں کہ اعمال باطنہ اور ان کے احکام "فقہ اسلامی" کا باقاعدہ حصّہ تھے لیکن کتبِ فقہ میں ان کی تدوین اس لیئے نہ ہوئی کہ عموماً ان کا اہتمام ہر مسلم گھرانے میں موجود تھا۔ اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان سے واقف نہ ہو اور ان پر عامل نہ ہو، بعد میں جب لوگ غفلت کا شکار ہوگئے تو اس کی تدوین بطور ایک فن کے ہوگئی اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے نبی امی علیہ السلام کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین نہ تھی۔ بعد میں ضرورت پر اس کا اہتمام ہوا۔

المختصر: اعمالِ باطنہ کے احکام کتبِ فقہ میں مدوّن نہ ہونے سے یہ دھوکا کھانا صحیح نہیں کہ یہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ سے کم ہے ۔۔۔ نہیں بلکہ ان کی اہمیت اسی طرح ہے بلکہ بعض حالتوں میں ان سے بڑھ کر۔ (ص۱۴۰)

ایک جگہ فرمایا کہ میرے نزدیک صوفی کی تعریف "عالم باعمل" ہے۔ باقی جو باتیں ہیں وہ تعریف کا جزو نہیں، اس کے ثمرات ہیں (ص۳۰۲)

جس طرح زندگی کے کسی میدان میں بھی کوئی شخص اپنے استاد کی عظمت، احترام اور اس کی قدردانی کے بغیر کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح اس راہ کے جو مردِ میدان ہیں، ان کی صحبت، احترام اور ان سے محبّت و تعلق لازم ہے ورنہ کوئی تعلیم و تلقین کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت مولانا و مقتدانا السید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "منصبِ امامت" میں لکھا ہے کہ:

بزرگوں ومشائخ کا فیضِ صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہے کہ اس کا فائدہ سبھی کو ہوتا ہے استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور وہ استفادہ کا قصد کرے یا نہ کرے۔

قریبی دور کے "اہلِ احسان" میں حکیم امّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک بہت بڑے انسان ہوگزرے ہیں، جنکی اردو زبان کی تفسیر "بیان القرآن" کو دیکھ کر امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا سیّد محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اس تفسیر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اردو کا دامن بھی علم سے خالی نہیں۔ اور یہی مولانا تھانوی تھے کہ سیّد الملّۃ مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب ان سے بیعت طریقت کی تو پھر ان کا رنگ ہی بدل گیا، حتّٰی کہ راولپنڈی میں میرے ایک مرحوم بزرگ حافظ ریاض احمد اشرفی کے ذخیرہ میں ان کا ایک خط موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے بہت سے "تفرّدات" سے رجوع کیا اور یہ لکھا کہ جس سلیمان کو آپ تلاش کر رہے ہیں، مدّت ہوئی وہ مرگیا۔

انہی مولانا تھانوی کی مجلسی گفتگوؤں کا ایک مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ذمّہ دار بزرگ کا مرتّب کردہ موجود ہے۔ اس میں ایسے ہی مسائل کے ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو چیز انسان کے لیے جتنی زیادہ ضروری ہے اس کا حصول اتنا ہی سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے، سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبرًا ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے بچنا چاہے تو بچ نہ سکے .... اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا یہ عام نفع کی چیز ہے، اس کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ فطرۃً اس کا آسان ہونا لازمی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا دیا اور غیر ضروری اصول و اعمال کو تصوّف سمجھ لیا۔ حالانکہ تصوّف کچھ اور ہی ہے، وہ تو فقط توجہ الی اللہ ہے جس میں اس یقین کا ہونا ضروری ہے کہ ہم توجہ کریں گے تو وہ ہم سے زیادہ توجّہ کرے گا (جیسا کہ حدیث میں ہے) اس میں کسی نفلی عمل کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ تکمیل فرائض ضروری ہے ــــ اس سلسلہ میں مسند احمد میں ایک روایت بھی ہے کہ کسی نے کسی سے متعلق کہا انی لَاَبْغَضُ ھٰذا؟ تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا اس بغض کا سبب؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں کبھی نفلی نماز وغیرہ میں مشغول نہیں دیکھا، انہوں نے کہا آپ نے مجھ سے کبھی فرائض میں کوتاہی دیکھی؟ کہا نہیں ــــ فرمایا بس میں اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں اور پھر وہ دونوں پیغمبرؐ اقدس کے حضور گئے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی کہ یہ درست کہتے ہیں۔ (صہ ۲۰۰، ۲۰۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اصولِ تصوّف" محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو اور احکام شرعیہ

کا اہتمام، اس کے علاوہ جو اشغال ہیں وہ ضرورۃً ہیں۔ اس طریق کا جزو نہیں۔ (ص۲۱۶)
مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"طریقت اور تصوّف نام ہے شریعت پر مکمل اور پورے پورے عمل کا۔ (اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (الآیہ۔ البقرہ) اعمالِ ظاہرہ کی طرح اعمالِ باطنہ بھی ہیں اور ان کی اصلاح بھی لازم ہے، اس میں سب سے پہلے عقائد کی درستی ہے پھر اخلاق کی اصلاح، تکبر، حسد، بغض، حرص، حب جاہ و مال سے بچنا، تواضع، قناعت، صبر، شکر، اللہ تعالیٰ سے محبت، اللہ کے رسولؐ کی کامل اطاعت، ان کو حاصل کرنا یہی ساری طریقت و تصوف ہے۔"

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الیواقیت والجواھر" میں لکھتے ہیں کہ اعمال باطنہ اور ان کے احکام "فقہ اسلامی" کا باقاعدہ حصہ تھے لیکن کتبِ فقہ میں ان کی تدوین اس لئے نہ ہوئی کہ عموماً ان کا اہتمام ہر مسلم گھرانے میں موجود تھا۔ اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان سے واقف نہ ہو اور ان پر عامل نہ ہو، بعد میں جب لوگ غفلت کا شکار ہو گئے۔ تو اس کی تدوین بطور ایک فن کے ہو گئی اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے نبی امی علیہ السلام کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین نہ تھی۔ بعد میں ضرورت پر اس کا اہتمام ہوا۔

المختصر! اعمالِ باطنہ کے احکام کتبِ فقہ میں مدوّن نہ ہونے سے یہ دھوکا کھانا صحیح نہیں کہ یہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ سے کم ہے ۔۔۔ نہیں بلکہ ان کی اہمیت اسی طرح ہے بلکہ بعض حالتوں میں ان سے بڑھ کر۔ (ص ۱۴۰-۱۴۱)

ایک جگہ فرمایا کہ میرے نزدیک صوفی کی تعریف "عالم باعمل" ہے۔ باقی جو باتیں ہیں وہ تعریف کا جزو نہیں، اس کے ثمرات ہیں (ص ۳۰۲)

جس طرح زندگی کے کسی میدان میں بھی کوئی شخص اپنے استاد کی عظمت، احترام اور اس کی قدردانی کے بغیر کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح اس راہ کے جو مرد میدان ہیں، ان کی صحبت، احترام اور ان سے محبّت و تعلق لازم ہے ورنہ کوئی تعلیم و تلقین کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت مولانا ومقتدانا السید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "منصبِ امامت" میں لکھا ہے کہ:

بزرگوں (مشائخ) کا فیض صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہے کہ اس کا فائدہ سبھی کو ہوتا ہے استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور وہ استفادہ کا قصد کرے یا نہ کرے۔

یہی حال بزرگانِ دین اور مشائخ کا ہے اور ایسے حضرات کی علامت یہ ہوتی ہے کہ جب آدمی ان سے دور ہوتا یا ان کی وفات ہوتی ہے تو قلوب میں ایک طرح کی ظلمت محسوس ہوتی ہے۔

اس پر مولانا تھانوی نے ایک روایت سے استشہاد بھی کیا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سرورِ کائنات علیہ السلام کی وفات پر کہا :

وَاللّٰہُ مَا اَنْفَضْنَا اَیْدِیَنَا مِنَ التُّرَابِ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا

کہ رسول اکرم علیہ السّلام کی تدفین کر کے ہم نے مٹی سے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ ہمارے قلوب میں تغیر محسوس ہونے لگا۔ (ص ۱۰۸-۱۰۷)

اور اسی کی تائید میں وہ روایت بھی ہے جس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے "نفاق" کا خدشہ ظاہر کیا، اس پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ صحبتِ نبوی میں اور کیفیت ہوتی ہے، وہاں سے علیحدگی پر حال ہی بدل جاتا ہے۔ —— تو سیدنا صدیق چونک پڑے، فرمایا، میرا بھی یہی حال ہے اور پھر دونوں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو رسول اکرم علیہ السّلام نے تسلی دلائی کہ میری صحبت و معیت میں جو کیفیت تمہیں حاصل ہوتی ہے اگر سدا وہی رہے تو مدینہ کی گلیوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم سے مصافحے کرتے پھریں۔
—— اور ایسے ہی اہل کمال کے متعلق فرمایا گیا کہ

"اللہ والے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجائیں" (حدیثِ نبوی)

اس راہ کے مسافر، تین خوبیوں سے متصف ہوں تو وہ کامل شمار ہوتے ہیں اور اس قابل کہ وہ دوسروں کے قلوب کی صفائی کا اہتمام کریں۔ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید اجودھنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب خادم خواجہ نظام الدین بدایونی ثم دہلوی کو جب دہلی روانہ فرمایا کہ تغلق آباد (دہلی) میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرو تو ساتھ ہی فرمایا!

"باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق عطا فرمودہ است وہر کہ بایں سہ صفات متصف باشد خرقہ خلافت او را نیکو آید" (فوائد الفوائد)

اس میں جن تین خوبیوں کا ذکر ہے اور جن کے حامل کو ہم نے "کامل" کہا، انمیں پہلا وصف اور پہلی خوبی "علم" ہے جس کا حصول و طلب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دیا

"طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم"

حاملینِ علم کے لئے ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (الفاطر ۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں"

حاملینِ علم کے لئے ارشاد ہے:

اور يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

(المجادلہ : ۱۱)

تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا، درجے بلند کرے گا۔

علم میں "علمِ کسبی" کے ساتھ "علمِ وہبی ولدنی" بھی شامل ہے۔ جسے حضرت الامام الشافعی قدس سرہ نے "اللہ تعالیٰ کے نور" سے تعبیر فرمایا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی   فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہٖ   ونور اللہ لا یعطی لعاصی

اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان دونوں کی تعبیر "معلومات اور ذوق" سے فرمائی۔

دوسری صفت عقل ہے۔ یعنی وہ قوت جس کے ذریعے ایک انسان اشیاء کے حقائق و خواص کا ادراک کرتا ہے۔ اور درجۂ آخر میں اس سے مراد "عقلِ سلیم" ہے جو اپنے عمل میں غلطی نہیں کرتی اور بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن میں جہاں بھی "عقل" کا لفظ آیا ہے، وہاں "عقلِ سلیم" ہی مراد ہے۔ آخر مشرکوں کو بے عقل کیوں کہا گیا! کیا وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھے، نہیں بلکہ "عقلِ سلیم" سے محروم تھے۔

تیسری صفت "عشق" ہے۔ جس سے آسان لفظوں میں مراد حقیقتِ مطلقہ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے وہ تعلق ہے جس کا تقاضا وہ ہم سے کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ : ۱۶۵)

اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

حدیثِ جبریلؑ جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ مشاہدہ حق میں اتنے غرق ہو جاؤ اور تمہاری روح یادِ الٰہی میں اس طرح ڈوب جائے کہ بس وہی ہر وقت تمہارے سامنے۔

اقبال مرحوم نے اپنے فارسی و اردو کلام میں اس طرف بہت اچھے اشارے کئے:

من بندۂ آزادم عشق است امام من   عشق است امام من عقل است غلام من

ہنگامہ این محفل از گردشِ جام من — این کوکبِ شامِ من، این ماہ تمامِ من
جانی در عدم آسودہ بے ذوقِ تمنّا بود — مستانہ نواہا زد در حلقہ دامِ من

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ کیفیت حاصل ہے تو علم، حکمت، عبادت، ریاضت سبھی معتبر ہیں، ورنہ محض دھوکہ! بقول اقبال مرحوم

شہیدِ محبّت نہ کافر نہ غازی — محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے!! — تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
نہ محتاجِ سلطان، نہ مرعوبِ سلطان — محبّت ہے آزادی و بے نیازی

"قلب" کو جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے فرمائیں جس کے راوی ہیں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جسے حضرات امام بخاری و مسلم قدس سرھما نے نقل کیا۔ (ترجمہ یہ ہے):

نبی مکرّم، رسولِ رحمتؐ نے فرمایا: حلال و حرام کا معاملہ تو واضح ہے (انمیں سے ہر ایک کا واضح بیان ہوگیا) البتہ ان کے درمیان ایک درجہ ہے وہ یہ کہ بعض اشیاء مشتبہ ہوتی ہیں، جنہیں بہت سے (چنگے بھلے) لوگ بھی نہیں جانتے۔ ان سے جو بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کی سلامتی کا سامان کر لیا اور جس نے ان کے معاملے میں احتیاط نہ برتی اور ان میں مبتلا ہوگیا، اس کا کھلے حرام میں بھی مبتلا ہونے کا خطرہ ہے (اس کی مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا) کہ جیسے ایک بکریاں چرانے والا مخصوص چراگاہ کے ارد گرد بکریاں چرا رہا ہو تو اس کا امکان ہے کہ اس کی بکریاں چراگاہ کے اندر تک پہنچ جائیں ___ یاد رکھو کہ ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے (جس میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی) اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں، ان کی چراگاہ اس کے حرام کردہ محارم ہیں (حرام کردہ چیزیں، جن سے بچنا لازم ہے) یاد رکھو انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب تک وہ درست ہوگا تو سارا جسم سلامت رہے گا، وہ فاسد ہو جائے گا تو پھر سارے جسم کا بگاڑ لازم ہے ___ یاد رکھو وہ قلب ہے۔ (مشکوٰۃ صـ۲۴۱)

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب ہے کہ:

جب بنی آدم کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نشان (نقطہ) پڑ جاتا ہے توبہ و استغفار کے باعث وہ نقطہ دھل جاتا اور قلب صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہ ہوئی اور گناہوں کا سلسلہ بڑھتا رہا تو وہ دل پر اس طرح غالب آجائیں گے کہ سارا دل سیاہ ہو جائے گا۔ اسی کیفیت کو "ران" سے تعبیر کیا گیا ہے (یہ اشارہ ہے سورۂ مطففین کی آیت ۱۴ کی طرف جسے حضور علیہ السلام نے یہاں تلاوت بھی فرمایا، اس کا ترجمہ ہے) "ہرگز نہیں بلکہ اُن کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے"

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ صـ۲۰۴)

اور ایک حدیث میں ہے:

یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے لوہے پر پانی پڑنے سے وہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: فما جلاء ھا یارسول اللہ۔ پھر ان دلوں کو صیقل کیسے جائے؟ تو جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن:

رواہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

(البیہقی فی شعب الایمان / مشکوٰۃ صـ۱۸۹)

آئینہ قلب کی صفائی ہو جائے اور انسان دولتِ احسان سے مالا مال ہو جائے اور اسے حضوریٔ قلب کی نعمت عظمیٰ میسر ہو تو پھر اس کا حال مجدد سرہندی قدس سرہٗ جیسا ہو جاتا ہے جو "خوف و رجاء" کی کیفیت کا شکار ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ سے خیر کی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں، وہاں یہ خطرہ بھی لاحق رہتا ہے کہ نہ معلوم انجام کیا ہوگا؟۔ ایسے حضرات کی نظر "الاعمال بالخواتیم" پر ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ "کافر فرنگ" سے نفرت کو بھی جرم گردانتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"معرفت حق بر آں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر می گرداند"

اس کی وجہ یہی ہے کہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص عمر بھر کی خرابیوں کے باوجود آخری وقت میں کسی "خیر" سے مالا مال ہو کر بخشش کا مستحق ہو جائے اور ایک شخص ساری عمر بھلائیاں کر کر کے آخر میں بدنصیبی کا شکار ہو جائے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح کی ایک روایت نبی اکرم علیہ السلام سے نقل کی۔

بہرطور اس چیز کو محسوس کرنا ضروری ہے کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ تعلق مع اللہ کی صحیح کیفیت حاصل ہو جائے، لیکن وائے افسوس کہ آج اسی سے ہم سب غافل ہیں اور بہت زیادہ! اس کے لئے محض کتابی مطالعہ اور تفکر و تدبر کافی نہ ہو تا بلکہ کسی "مزکی" اور "صاحب احسان" سے وابستگی بھی ایک طرح کی لازمی ضرورت ہے، اس کا احساس مولانا ثناء اللہ اور مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے اہل حدیث بزرگوں کو بھی تھا۔ جنہوں نے بعض لوگوں کو مولانا تھانوی سے اس سلسلہ میں رابطہ کا مشورہ دیا اور مولانا بٹالوی نے تو فرمایا کہ چالیس سال کے تجربہ کے بعد اس کی اہمیت و ضرورت **الم نشرح** ہو گئی، ہاں یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص سلاسل اربعہ میں سے کسی کا اہتمام کرے، اصل اہتمام اس کاوش کا چاہیئے! چنانچہ مولانا تھانوی ہی کے تذکرہ میں ہے کہ ایک اہل حدیث دوست ان سے بیعت ہوئے۔ حضرت کے بتلائے ہوئے معمولات بھی پورے کرتے، خدمت میں حاضری بھی دیتے لیکن انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سلاسل اربعہ میری سمجھ میں نہیں آتے، حضرت نے فرمایا، کوئی حرج نہیں ان کا سمجھنا بھی ضروری نہیں، ہاں اس لائن کو چھوڑنا صحیح نہیں۔ چنانچہ وہ باقاعدہ تعلق قائم کر کے سرگرم عمل رہے حضرت مولانا سید داؤد غزنوی قدس سرہٗ کے متعلق حتماً تو نہیں کہہ سکتا لیکن بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الشیخ شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ سے باقاعدہ تعلق تھا۔

اس کی وجہ بقول ایک معرفت شناس یہ ہے کہ اصلاح کا کام دل کے ساتھ ہے۔ دل کی بیماریوں کا قصہ جسم کی بیماریوں کی طرح ہے، جسم کے علاج کے لئے معالج لازم ہے تو یہاں بھی لازم ہے۔ بلکہ جسم سے بڑھ کر، کیونکہ جسم کی بیماری کا بالعموم انسان کو خود بھی پتہ چل جاتا ہے لیکن دل کا معاملہ دگرگوں ہے۔

اس موقع پر مستری محمد صدیق صاحب بٹالوی مرحوم کے حوالہ سے ایک واقعہ بھی نقل کر دینا لازم ہے کہ مستری صاحب نے تبلیغی جماعت اور مولانا مودودی کے باہم اتحاد کی فکر کی، مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ و خادم مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلہ میں مولانا مودودی سے ملاقاتیں اور مولانا مودودی کا میوات کے تبلیغی سفر پر جانا ایک اہم واقعہ ہے، اس کے بعد مولانا مودودی نے اپنے رسالہ میں تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں ایک نہایت ہی اچھا آرٹیکل لکھا۔ مولانا احتشام الحسن نے اسی موقع پر مولانا مودودی کی توجہ اس طرف دلائی کہ ذرا کسی شیخ سے رابطہ کریں۔ مولانا مودودی نے اس کو تسلیم کیا اور انہی سے مشورہ کیا تو انہوں نے بعض حضرات کے اسماء گرامی بتائے۔ جن میں سے دو بزرگوں مولانا رائے پوری اور شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ایک کے

ساتھ مولانا نے تعلق جوڑنے کی حامی بھر لی۔ لیکن افسوس کہ ان کے بعض جماعتی احباب نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا، ایسا ہو جاتا تو ان کے کام کے برگ و بار کچھ اور ہی ہوتے۔ لیکن ہونا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ـــــ اصل اس ضرورت کا احساس دلانا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے لئے اتنا کچھ کافی ہے

حرفِ آخر کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں آپؐ نے فرمایا:

اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ، خَشْیَۃُ اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ، وَکَلِمَۃُ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدُ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا، وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ، وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ، وَاَعْفُوَ عَنْ ظَلَمَنِیْ، وَاَنْ یَّکُوْنَ صَمْتِیْ فِکْرًا، وَنُطْقِیْ ذِکْرًا وَنَظَرِیْ عِبْرَۃً۔

یعنی میرے رب نے مجھے نو چیزوں کا حکم فرمایا: کھلے اور چھپے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غضب کی حالت ہو یا خوشی و رضا کی ہر حال میں انصاف کرنا۔ فقر کی حالت ہو یا امیری کی، راستی و اعتدال پر قائم رہنا، جو مجھ سے کٹے اس سے جوڑنا، جو مجھے محروم کرے اسے دینا، زیادتی کرنے والے کو معاف کرنا، یہ کہ میری خاموشی تفکر کی خاموشی ہو، میری گفتگو ذکرِ الٰہی کی گفتگو ہو اور میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

ہمارا طالب علمانہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ السلام نے ان چند جملوں میں "احسان کی روح" ذکر فرما دی، رب کریم اپنے کرم بے پایاں سے ہمارے قلوب کی حالت درست فرما دے ان کی اصلاح کی بھرپور فکر کی ہمیں توفیق دے۔

اَللّٰھُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ، اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ

آمین، بحرمۃ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں ـــــ!

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل (آخری قسط)

(سُورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

اب آئیے پھر اسی حدیث کی طرف جس کا اختتام ہوتا ہے اس وعید پر : وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ ۔ یہ ہے نہی عن المنکر کی اہمیت ۔ وقت کی کمی کے باعث بڑی تیزی سے چند نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرا کے اپنی بات ختم کر دوں گا ۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان تینوں میں سے کون سا درجہ اختیار کیا! کیا صرف دل سے جہاد کیا! یا صرف زبان سے جہاد کیا! یا طاقت سے بھی کیا! ـــ سب سے اونچا درجہ تو طاقت کا ہے ۔ محمد رسول اللہ ؐ اور اُن کے صحابہ کرام رضؓ نے یہ جہاد طاقت سے کیا ۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ طاقت سے کیسے کیا ؛ طاقت کا استعمال کس طور پر فرمایا ! بطور مفروضہ عرض کرتا ہوں کہ حضورؐ نے طاقت کا استعمال اس طرح نہیں کیا جب آپؐ نے دعوت شروع کی تو جو بیس پچیس سعید روحیں آپؐ پر ایمان لے آئی تھیں، ان کا ایک چھوٹا سا جیتھہ حضورؐ بناتے اور انہیں حکم دیتے کہ رات کی تاریکی میں چھپ چھپا کر جاؤ اور کعبہ شریف میں رکھے ہوئے سارے بت توڑ دو ۔ کر سکتے تھے یا نہیں ! ـــ کر سکتے تھے ، عملاً ممکن تھا ۔ وہاں کعبہ کی حفاظت کرنے کے لئے کوئی بریگیڈ آرمی اور مسلح پہرہ نہیں ہوتا تھا ۔ ایک مرتبہ جا کر صحابہ کرامؓ تمام بتوں کو توڑ سکتے تھے ۔ یہ مکہ میں سب سے بڑا منکر تھا کہ نہیں ؛ لیکن حضورؐ نے اسے برداشت کیا ۔ کیوں کیا ؟ اس لئے کہ پہلے ایک معتدبہ افراد کی ایک جمعیت فراہم کی جائے ۔ ایک طاقت فراہم کی جائے ، فدائین اور تربیت یافتہ جاں نثاروں کی ایک جماعت تشکیل دی جائے ۔ یہاں تربیت سے مراد عسکری تربیت نہ لیجیے گا ۔ اس سے مراد ہے روحانی و اخلاقی تربیت جس کے لئے ہمارے دین کی اصطلاح ہے تزکیہ ـــ ایک کام

کرنے کے بعد اسے برقرار رکھنا یہ ہے اصل شے، یہ ہے اصل کام ۔ ایک مرتبہ کعبہ کے تمام بتوں کو توڑ دینا اصل کام نہیں ہے ۔ توڑنے کے بعد توحید کا نظام پھر برقرار رہے ۔ یہ کام کرنے والی طاقت و قوت پھر قائم رہے ۔ جب تک یہ شکل پیدا نہیں ہوگئی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اقدام نہیں فرمایا ۔ توحید کی بذریعہ قرآن دعوت و تبلیغ فرمائی ۔ جو لوگ ایمان لائے انہیں منظم کیا ۔ ان کی تربیت کی، ان کا تزکیہ فرمایا ۔ ان میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کیا ۔ ان میں دین کے لئے تن من دھن لگا دینے کا ایک عزم مصمم پیدا کیا ۔ پھر ان کے اندر ایک ڈسپلن پیدا کیا کہ جو حکم دیا جائے مانیں ۔ چنانچہ قریباً بارہ برس تک مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم تھا ! یہ کہ مسلمانو ! تمہارے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تب بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے ۔ خبابؓ ابن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے ۔ لیکن مسلمانوں کو مداخلت کی اجازت نہیں تھی ۔ کیا مسلمان بے غیرت تھے ! معاذ اللہ ۔ خاص طور پر میں جب سوچتا ہوں تو مجھ پر جھرجھری طاری ہو جاتی ہے کہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے شہید کیا ہے اور کس طرح شہید کیا ہے ! کس قدر کمینگی کے ساتھ انہیں ایذائیں پہنچائی ہیں ۔ ماں کو جوان بیٹے کے سامنے ننگا کیا ہے ۔ پھر جو کچھ کیا ہے میری زبان پر نہیں آسکتا ۔ پھر جب شہید بھی کیا ہے تو تاک کر انؓ کی شرم گاہ میں اس طرح برچھا مارا ہے کہ پشت سے آر پار ہو گیا تھا ۔ یہ سب کچھ مجمع عام میں ہو رہا ہے اور اس وقت تک کم سے کم تیس چالیس مسلمان موجود تھے اور ان میں سے ہر ایک دس دس ہزار کے برابر تھا سوچیئے کہ کیا یہ تیس چالیس مسلمان معاذ اللہ بے غیرت تھے ! ان لوگوں کو نظر نہیں آرہا تھا کہ ہماری ایک بہن، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والی کے ساتھ ابوجہل یہ بہیمانہ سلوک کر رہا ہے ۔ اگر انہیں اجازت ہوتی تو کیا وہ ابوجہل کی تکا بوٹی نہ کر دیتے ! لیکن اجازت نہیں تھی ۔ کبھی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آلِ یاسر پر جو تین افراد پر مشتمل گھرانہ تھا ۔ حضرت یاسرؓ ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ اور ان کے بیٹے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ابوجہل نے جو مسلسل ستم ڈھا رکھا تھا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سامنے سے گزرتے تھے تو خود تلقین فرماتے تھے : ـــــ اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِر فَاِنَّ الْمَوْعِدَةَ الْجَنَّةُ " اے یاسر کے گھرانے والو ! صبر کرو اس لئے کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے" ـــــ حضورؐ نے قریباً بارہ برس تک یہ تربیت دی ہے ۔ یہ تربیت کس بات کی تھی ! ایک طرف اپنے موقف پر ڈٹے رہو، قدم پیچھے نہ ہٹے ۔ لیکن دوسری طرف تمہارا ہاتھ نہ اٹھے، جھیلو اور برداشت کرو ۔ اگر جان چلی جائے تو فہو المطلوب ۔ شہید ہو گئے تو فَاِنَّ الْمَوْعِدَةَ الْجَنَّةُ ۔ اس طرف تمہاری آنکھ بند ہوئی ادھر جنت میں تمہارا داخلہ ہو گیا ۔ سورۂ یٰسین تو آپ پڑھتے

ہی ہوں گے وہاں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب رسولوں کی تصدیق کرنے والے شخص نے یہ کہا تھا: اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ تو فوراً انہیں شہید کر دیا گیا۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ صرف نتیجہ جو نکلا اسے بیان کر دیا: قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝ جیسے شہید ہوئے جنت میں داخلہ کا انہیں پروانہ مل گیا اور انہوں نے کہا کہ کاش میری قوم کو میرے اس اعزاز کا علم ہوتا ــــ چونکہ ان کی قوم کی آنکھوں پر تو پردے پڑے ہوئے تھے ــ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ مجھے میرے رب نے حساب کتاب کے بغیر بخش دیا۔ میرے تمام گناہ معاف کر دیئے اور مجھے اعزاز و اکرام پانے والوں میں شامل فرمایا۔ تو جن لوگوں کو بھی شہادت نصیب ہو جائے لاریب وہ اپنے مطلوب کو پا گئے۔

پس میں آپ کو بتانا چاہ رہا ہوں کہ منکرات کا استیصال جو طاقت کے ساتھ ہے، قوت کے ساتھ ہے "بید کا" ہے، اس کا ایک process ہے، اس کا ایک طریقہ ہے۔ وہ طریقہ ہمیں سیرت النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لینا ہوگا۔ وہ وقت بھی آیا کہ حضورؐ نے طاقت کو استعمال فرمایا اور آپؐ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ بغزوۂ بدر میں سپہ سالار کون تھے! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ احد میں سپہ سالار کون تھا! وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ میدانِ اُحد میں مورچہ بندی کون کرا رہا تھا! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن طاقت کے استعمال کے مرحلہ سے پہلے کے جو مراحل ہیں، انہیں ملحوظ رکھنا اور انہیں طے کرنا ضروری ہے۔ وہ مراحل ہیں کہ قرآن مجید کی دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے پہلے ایک جمعیت فراہم کی جائے۔ اس میں وہ افراد شریک ہوں جو شعوری طور پر تقویٰ، اطاعت اور فرمانبرداری کی روش اختیار کریں۔ تکمیل کی بات میں نہیں کر رہا ــ تکمیل تو موت تک نہیں ہوگی۔ لیکن یہ ہو کہ فیصلہ کر کے ایک عزم مصمم کے ساتھ تقویٰ اور اسلام کی راہ پر چل پڑے ہوں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ــ پھر وہ باہم جڑیں، باہم مربوط ہوں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ؗ پھر ان کی آپس کی محبت مثالی محبت ہو۔ وہ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ کا کامل پیکر ہوں اور ان کا حال یہ ہو: وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؗ اور وہ اپنی جانوں سے اپنے مسلمانوں بھائیوں کی ضروریات کو مقدم رکھتے ہوں چاہے اپنے اوپر فاقے گزر رہے ہوں ــ ان کی محبتیں ایسی ہوں کہ ایک زخمی کراہ رہا

ہے۔ جان نکلنے کے قریب ہے۔ اور پکار رہا ہے العطش العطش۔ پانی کا پیالہ ان کے پاس لایا جاتا ہے کہ دوسرے بھائی کی آواز آجاتی ہے العطش العطش۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو پانی پلاؤ۔ پیالہ وہاں پہنچتا ہے کہ تیسرے زخمی کی آواز آتی ہے العطش العطش، وہ کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو پانی پہنچاؤ۔ پیالہ تیسرے کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اللہ کو پیارے ہو چکے۔ پیالہ دوسرے کے پاس واپس آتا ہے تو ان کا دم بھی نکل چکا ہوتا ہے۔ اب پیالہ پہلے زخمی کے پاس لایا جاتا ہے۔ تو ان کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی۔ ایک طرف یہ ایثار اور رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کی یہ شان اور دوسری طرف یہ رویّہ اور کیفیت: فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا سنو اور اطاعت کرو — "system and obey" ۔ اگر یہ ڈسپلن نہیں تو یہ جماعت نہیں Mob ہے۔ یہ حزب اللہ نہیں ہے۔ ایک ہجوم ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اقبال نے اسی فرق کو واضح کیا ہے۔ آپ نے بھی عید منائی ہے۔ زیادہ دن نہیں ہوئے [1]

عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دیں　　عیدِ محکوماں ہجومِ بے یقیں!!

یہ ہجوم ہوتا ہے چاہے دو لاکھ کا مجمع ہو۔ کوئی نظم، کوئی ڈسپلن، کوئی کسی کا حکم سننے والا اور ماننے والا مفقود — ہر شخص اپنی جگہ گویا سقراط و بقراط ہے۔ کوئی کسی کی بات سننے والا اور ماننے والا نہیں۔ اس ہجوم سے کوئی مثبت اور نتیجہ خیز کام نہیں ہوتا۔ یہ کام ہوگا تو ایک منظم جماعت کے ذریعے ہی انجام دیا جا سکے گا۔

اسی بات کو نہایت تاکیدی اسلوب سے اس آیت مبارکہ میں فرمایا جا رہا ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "تم میں سے لازماً ایک گروہ، ایک جماعت، ایک (چھوٹی) امت ایسی ہونی چاہیے جس میں شامل لوگ خیر کی طرف دعوت دینے، پکارنے اور بلانے والے ہوں۔ نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے ہوں — امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبان سے تو ہر وقت ہو سکتا ہے۔ صرف انسان کے اندر جرأت کی ضرورت ہے۔ جس بات کو حق اور صحیح سمجھے اسے بیان کرے۔ اسی لئے تو فرمایا گیا کہ: اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ منکرات کے خلاف سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں افضل الجہاد کہا ہے اور

---

[1] یہ خطاب ۲ شوال المعظم ۱۴۰۵ھ کو ارشاد کیا گیا تھا (مرتب)

جان لیجیے کہ اس دور میں اصل سلطان عوام النّاس ہیں جن کے ووٹوں سے اقتدار کسی پارٹی کے سپرد ہوتا ہے۔ بقول علّامہ اقبال یہ "سلطانیٔ جمہور" کا زمانہ ہے۔ اس لئے نہی عن المنکر کا ایک رُخ اربابِ اقتدار کی طرف ہونا چاہیئے۔ اس سے کہیں شدّ و مد کے ساتھ اس کا رُخ معاشرہ کی طرف ہونا چاہیئے۔ اگر نہی عن المنکر سے پہلوتہی ہوگی، اعراض ہوگا تو اس کا دو کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا یا بزدلی ہے یا بے حمیتی ہے۔ باقی اور کوئی شکل نہیں ہوسکتی۔ مزید یہ بات بھی جان لیجئے کہ امر بالمعروف بہت آسان کام ہے۔ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرنا، نصیحت کرنا۔ اعمالِ صالحہ کے فضائل بیان کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان کی بھی اہمیت ہے کون ہے جو اس سے انکار کرے گا! اس کے ذریعے سے کچھ لوگ انفرادی طور پر نیکوکار بن جائیں گے۔ لیکن معاشرہ ہرگز تبدیل نہیں ہوگا جب تک منکرات کے خلاف جماعتی سطح پر منظّم محنت، سعی و کوشش، جد و جہد بلکہ خالص دینی اصطلاح میں جہاد نہ ہو۔ اور واقعی یہ مشکل کام ہے، جان جوکھوں کا کام ہے۔

لہٰذا اس جہاد کے لئے جس کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو نبی اکرمؐ نے جہاد بالیَد یعنی طاقت کے ساتھ جہاد قرار دیا ہے: فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ اس کے لئے ضروری ہوگا پہلے ایک جماعت کی تشکیل اور اس کا وجود۔ جس میں شامل لوگوں میں ایک طرف تقویٰ اور فرمانبرداری کے اوصاف ہوں اور وہ اس روش پر کاربند ہوں۔ دوسری طرف اعتصام و تمسّک بالقرآن کا عمل ہو اور تیسری طرف اس جماعت کے لوگ باہم نہایت محبّت کرنے والے اور ایک دوسرے کے لئے ایثار کرنے والے ہوں۔ اور آخری بات یہ کہ سمع و طاعت کے نظم کے ساتھ ایک امیر کی اطاعت فی المعروف کو اپنے اوپر لازم، واجب بلکہ فرض سمجھنے والے ہوں ــــ اس کام کے لئے جو جماعت درکار ہے اس کے اوصاف کی رہنمائی ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی ہے اور جسے امام احمد ابنِ حنبل اور امام ترمذی رحمہما اللہ بالترتیب اپنی 'مسند' اور اپنی 'جامع' میں لائے ہیں۔ اس حدیث کو میں نے شروع میں سورۂ آلِ عمران کی تین آیات کی تلاوت اور دو حدیثیں سنانے کے بعد آخر میں آپ کو سنایا تھا۔ حضرت حارث الاشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ـ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: التزامِ جماعت کا، سمع و طاعت کا، اور اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کا" ــــ ایک دوسری روایت میں "اٰمُرُ بِخَمْسٍ" کے بعد الفاظ آتے ہیں: اَللہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ" اس کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے"، یعنی میں تم کو یہ حکم اللہ کے حکم کی تعمیل میں دے رہا ہوں۔ اس حدیث میں ہجرت و

جہاد' کی جو اصطلاحات آئی ہیں ان کے وسیع تر معانی و مفاہیم کی میں آگے مختصر تشریح و توضیح کروں گا

وسط رمضان میں " روبرو " کے ٹائیٹل کے تحت میرا ایک انٹرویو نشر ہوا تھا۔ بہت سے حضرات اسے دیکھ نہ پائے ہوں گے۔ چونکہ نہ تو اس کے پہلے سے اعلان کا خاص اہتمام کیا گیا تھا پھر وقت بھی وہ رکھا گیا تھا جو کاروباری حضرات کے لئے فارغ نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ رمضان المبارک میں ہمارے اکثر دینی گھرانے ٹی وی دیکھنا بند کر دیتے ہیں۔ بہرحال اس انٹرویو میں، میں نے اپنے موقف کے اظہار کے لئے جو کچھ عرض کیا تھا وہ وقت کی تنگی کے باعث مجمل بھی تھا اور مختصر بھی۔ اس لئے وہ حضرات نے یہ پروگرام دیکھا ہوگا، ان میں سے اکثر کے ذہنوں میں اشکالات پیدا ہوئے ہوں گے چونکہ نئی سی باتیں تھیں لہٰذا سمجھتے سمجھتے کچھ وقت لگے گا ــــ وہاں مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ موجودہ دور میں جہاد یا بالفاظ دیگر انقلابی اقدام کی عملی شکل کیا ہوگی؟ وہاں میں نے اس کا جو جواب دیا وہ قدرے تفصیل سے ابھی عرض کروں گا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ کہتے رہنا کہ 'نہی عن المنکر' ہونا چاہیئے۔ اس کہنے سے تو منکرات ختم نہیں ہوں گے سوال یہ ہے اور بالکل صحیح سوال ہے کہ یہ کیسے ہوگا؟ اس کی عملی صورت اور عملی طریق کار کیا ہے؟ نعرے ہیں اور بہت بلند بانگ ہیں کہ 'اسلامی انقلاب' آنا چاہیئے۔ لیکن آئے گا کیسے! کیا انتخابات کے ذریعے سے آئے گا؟ کیا مارشل لا کے ذریعے سے آئے گا؟ اڑتیس سال کی تاریخ ان دونوں ذرائع کی نفی اور ناکامی پر شاہد ہے۔ حالیہ انتخابات کا نتیجہ بھی جلد آپ کے سامنے آجائیگا۔ کہ اس کے ذریعہ سے کتنا اسلام آتا ہے[1]۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس راستہ سے اسلام نہیں آسکتا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ راستہ بہرحال مارشل لاء سے کہیں بہتر ہے اس لئے کہ اس ملک کے باشندوں کا نظام حکومت میں کچھ نہ کچھ حصّہ (Participation) تو ہو جاتا ہے۔ اس طرح مختلف صوبوں اور مختلف طبقات کے اندر اس محرومی میں کچھ نہ کچھ کمی واقع ہوتی ہے اور ان کو کسی نہ کسی درجے میں اطمینان ہوا ہے کہ ہماری بھی کوئی SAY ہے۔ اگرچہ تاحال مارشل لاء کی چھتری تلے بلکہ انگوٹھے تلے وفاقی اور صوبائی اسمبلیاں اور تشکیل شدہ حکومتیں ہیں لیکن بہرحال انتخابی سیاست کا کسی نہ کسی درجہ میں عمل شروع

---

[1] موجودہ حکومت کی طرف سے بجٹ کے ساتھ 'کالے دھن' کو 'سفید دھن' بنانے کے لئے Bonds کی جو اسکیم سامنے آئی ہے اس کے متعلق ایک ان پڑھ مگر ذہین شخص بھی بتا سکتا ہے کہ یہ خالص سودی اسکیم ہے۔ نیز یکم جولائی ۸۵ء سے Banking کے جس غیر سودی نظام کے اجرا کے بلند بانگ دعوے کئے گئے ہیں ان کے متعلق اکثر علماءِ حقانی اور دین دوست ماہرینِ اقتصادیات کی متفقہ رائے ہے کہ سودی نظام جوں کا توں برقرار ہے۔ صرف لیبل بدل دیئے گئے ہیں۔ (مرتب)

تو ہوا ہے جو ایک اچھی علامت ہے ۔ اس لئے کسی نہ کسی حد تک ان اندیشوں میں کمی واقع ہوئی ہے کہ ملک کسی بے قابو انتشار میں مبتلا ہو جائے جس کے بڑے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں ــــ لیکن اسلام اس راستے سے نہیں آئے گا ۔ میں نے "روبرو" میں جناب صلاح الدین صاحب کے جواب میں عرض کیا تھا کہ دو چیزوں کو گڈمڈ نہ کیجئے۔ ایک ہے کسی انسان کا زندہ رہنا اور ایک ہے کسی کا مسلمان بننا ۔ ان دونوں کے تقاضے بالکل جدا ہیں ۔ زندہ رہنے کے لئے اسے غذا چاہیئے، پانی چاہیئے، ہوا چاہیئے ۔ ہوا آپ روک دیں گے تو منٹوں میں ختم ۔ پانی نہ ملا تو شاید چار پانچ روز گزار جائے ۔ غذا رُک جائے تو شاید ہفتہ دس دن کاٹ جائے ۔ لیکن بہرحال موت آئے گی اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی آپ بند کر دیں ۔ اسی طرح اگر کسی ملک میں سیاسی عمل روک دیا جائے اور غیر محدود عرصہ کے لئے مارشل لا چلتا ہے تو اس ملک کے لوگوں میں احساسِ محرومی بھی بڑھتا ہی چلا جائے گا جو اس ملک کے استحکام بلکہ بقا کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے ۔ لیکن مسلمان بننے کے لئے ایمان چاہیئے ۔ تھوڑا سا بھی ایمان ہو، تب ہی تو انسان عمل کرے گا یا عمل کی کوشش کرے گا ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے آخر قرآن میں خطاب ہے اہلِ ایمان ہی کو تو تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے : اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ اب اگر کسی معاشرے میں ایمان ہو گا، تقویٰ ہو گا، اسلام ہو گا ۔ جب ہی تو اسلام بطور نظام آ سکے گا ۔ لیکن یہ اساسات ہی کمزور ہوں تو اسلام انتخابی راستے سے نہیں آ سکے گا ۔ آپ لاکھ کہتے رہیئے کہ یہ نہ کیجئے، وہ نہ کیجئے اور خوشامدیں کرتے رہیئے ۔ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا ۔ آج سے قریباً تین سال پہلے ۲۳ مارچ کا دن آنے والا تھا "جسے" یوم پاکستان" کے نام سے ہر سال دھوم دھام سے منایا جاتا ہے ۔ میں ۲۳ مارچ سے چند دن پہلے عمرہ کے لئے جانے والا تھا کہ مجھے لاہور کے ایک گرلز کالج کی پرنسپل صاحبہ کا فون آیا کہ "آپ نے کبھی سوچا نہیں کہ ۲۳ مارچ اور ۱۴ اگست کو جوان لڑکیوں کی سڑکوں پر پریڈ ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے سڑکوں پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے ہیں ۔ جوان لڑکیاں سینہ تان کر پریڈ کرتی ہیں ۔ آپ کو یہ نظر نہیں آتا ۔ اس پر آپ نے کوئی نکیر کبھی نہیں کی"۔ میں واقعی حیران ہوا کہ کیوں میری توجہ اس طرف نہیں ہوئی! میں نے اپنے آپ کو پہلے یہ الاؤنس دیا کہ میں نے آج تک کوئی پریڈ نہیں دیکھی ۔ نہ میرے یہاں ٹی وی ہے کہ اس پر دیکھنے کا کسی طور موقع ملتا ۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اخبارات میں فوٹو تو چھپتے ہیں ۔ وہ تو نظر سے گزرے ہیں ــــ پھر مجھے افسوس ہوا کہ اتنے بڑے منکر کی طرف میرا دھیان کیوں نہیں گیا ۔ میں دل ہی دل میں نادم ہوا ۔ عمرہ کے لیے

روانگی سے قبل حسب معمول مجھے مسجد دارالسّلام باغ جناح لاہور میں جمعہ کی تقریر کرنی تھی۔ آپ میں سے کسی کو اگر وہاں جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہاں کتنا بڑا مجمع ہوتا ہے۔ باغِ جناح کے قریب جی۔او۔آر (GOR) ہے۔ لہٰذا بہت سے اعلیٰ گورنمنٹ آفیسرز وہاں آتے ہیں۔ کنٹونمنٹ بھی زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ لہٰذا بہت سے اعلیٰ ملٹری آفیسرز بھی وہاں ہوتے ہیں ـــــ تو میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خدا کے لئے جس کی بھی جناب صدر تک پہنچ ہے وہ یہ بات ان تک پہنچائے کہ یہ بہت بڑا منکر ہے۔ لڑکیوں کی پریڈ کرانی ہے تو قذافی اسٹیڈیم میں کرالیں۔ وہاں پریڈ دیکھنے صرف ہماری مائیں بہنیں بیٹیاں جائیں، ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ بچیوں کو ملٹری ٹریننگ دیجئے۔ رائفل ٹریننگ دیجئے۔ جیسے گرلز کالجوں کے گرد اگرد چہار دیواری ہوتی ہے اور عمارتیں باپردہ ہوتی ہیں تو ایسی چہار دیواری والے میدانوں میں بچیوں کو ٹریننگ دیجئے اور قذافی اسٹیڈیم میں ان کی پریڈ کرائیے جس میں مردوں کا داخلہ بالکل ممنوع ہو۔ لیکن ہماری جوان بچیاں پریڈ میں سینہ تان کر چلتی ہیں۔ وہ جھک کر تو نہیں چلتیں۔ نہ وہ ادھیڑ یا بوڑھی ہوتی ہیں۔ یہ بہت بڑا منکر ہے۔ میں اس تقریر کے بعد عمرہ کے لئے چلا گیا۔ واپس آیا تو ۲۴ مارچ تھی۔ میں آپ کے اسی شہر کراچی سے گزرا تھا۔ ۲۴ مارچ کو صبح کے روزنامے شائع نہیں ہوتے۔ مجھے شام کے اخبار ملے۔ آپ تین سال قبل کے شام کے انگریزی اخبار کسی لائبریری میں جاکر دیکھ لیجئے۔ اکثر اخبارات کی سرخیاں (Head Lines) تھیں

"Women psade took place despite the letter of Mian Tufail."

اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے بھی صدر محمد ضیاء الحق صاحب کو اس بارے میں کوئی خط لکھا تھا۔ اور یہ میاں صاحب وہ ہیں جنہیں اور صدر صاحب کو بطور مذاق "ماموں بھانجا" کہا جاتا ہے۔ گویا اتنا قرب! ـــ اور مارشل لاء کو جماعتِ اسلامی کا انتہائی ممنونِ احسان ہونا چاہیئے کہ وہ مارشل لاء کے خلاف ایجی ٹیشن میں نہیں آئی۔ جماعت نے چاہے مارشل لاء کی Direct حمایت نہ کی ہو۔ لیکن بالواسطہ تو حمایت (Support) ہو گئی کہ ایم آر ڈی میں شامل نہیں ہوئی[1]

---

[1] پھر مسلم لیگ اور جماعتِ اسلامی جیسی معروف سیاسی جماعتوں کے نمائندے تھے جنہوں نے مارشل لاء حکومت کے تحت وزارتیں قبول کیں مسلم لیگ نے تو مارشل لاء حکومت میں وزارتیں قبول کرنے والے اپنے ارکان کے خلاف ڈسپلنری ایکشن بھی لیا۔ جماعت نے تو یہ بھی نہیں کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کے ارکان نے جماعت کی منظوری اور رضامندی سے وزارتیں قبول کی تھیں۔ (مرتب)

میاں طفیل صاحب کے خط کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ پریڈ ہوئی اوران لوگوں نے تالیاں بجائیں جو ہمارے ملک میں بے حجابی، بے پردگی اور فحاشی کے علمبردار ہیں۔ اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ اس بات کو چھاپا ـــــ گویا اس طرح ان سب دین دوست افراد کا استہزا کیا گیا جو منکرات کو مٹانے اور معروفات کو فروغ دینے کے داعی اور علمبردار ہیں۔

اب یہ بات جان لیجئے کہ اگر ایک جماعت ایسی ہو کر جو الیکشن کے لئے ووٹوں کی بھیک مانگتی نہ پھرتی ہو۔ اس طور پر تو معاملہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎ مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج ـــ اگر الیکشن میں کامیاب ہونے والا ایک شخص بھی خراب نکل آئے تو پوری جماعت پر حرف آئے گا یا نہیں! ایک مچھلی پورے تالاب کو گندا کر سکتی ہے۔ ایک کالی بھیڑ پورے گلے کو مشکوک بنا سکتی ہے۔ پھر یہ کہ جب آپ ووٹ مانگتے ہیں تو لوگوں کے غلط عقائد، غلط اعمال پر تنقید اور نکیر نہیں کر سکتے۔ لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم خلافِ اسلام کام کر رہے ہو، تم حرام خوریاں کر رہے ہو، تم خلافِ قانون کام کر رہے ہو چونکہ انہیں سے تو آپ نے ووٹ لینے ہیں۔ لہٰذا آپ یہ حق باتیں نہیں کہہ سکتے۔ اب اس الیکشن کی اسلام کے حق میں آخری خرابی کی بات بھی سن لیجئے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ جب آپ بھی الیکشن میں اسلام کے نام پر ووٹ مانگیں گے اور کوئی دوسری جماعت بھی اسلام کے نام پر ووٹ مانگے گی تو دو اسلام ہو گئے یا نہیں! تین یا چار جماعتیں اسلام کے نام پر الیکشن میں حصہ لے رہی ہوں تو تین یا چار اسلام ہو جائیں گے یا نہیں۔ ہمارے معاشرہ میں فرقہ واریت جس شدت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اس کا سب سے بڑا سبب اسلام کے نام پر "الیکشن لڑنا" ہے۔ ہر گروہ اپنے مخصوص شعائر کا جن کا اسلام سے یا تو سرے سے کوئی تعلق نہ ہو یا اگر ہو تو محض فروعی ہو۔ اس طرح پروپیگنڈہ کرے گا گویا یہی اصل اسلام ہے۔ عوام الناس جن کی عظیم اکثریت حقیقی اسلام سے نا واقف ہے وہ مزید انتشارِ ذہنی میں مبتلا ہونگے یا نہیں! اور ہمارے خواص، بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پہلے ہی سے دین کے معتقدات واساسات کے بارے میں تشکیک وریب میں مبتلا ہیں ان جماعتوں کا ساتھ دیں گے یا نہیں جو سیکولر (لادینیت) ذہن کی حامل اور علمبردار ہیں۔ ۷۰ء کے الیکشن میں جس سے زیادہ Fair الیکشن پاکستان میں تا حال کبھی نہیں ہوا۔ یہ نتیجہ سامنے آچکا ہے یا نہیں! لہٰذا میری بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیجئے کہ الیکشن کے راستہ سے یہاں اسلام نہیں آئے گا۔ جو حضرات نیک نیتی سے سمجھتے ہیں کہ اس ذریعہ سے اسلام آسکتا ہے اگر ان کی نیتوں میں واقعی خلوص و اخلاص ہے تو وہ لگے رہیں۔ خلوص و حسنِ نیت کا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر ضرور پائیں گے بشرطیکہ اخلاص نیت کے ساتھ وہ ان غلط کاموں سے اپنا دامن بچائیں جو الیکشن کا خاصہ بن گئی ہیں جیسے جعلی ووٹنگ، ووٹوں

کی خریداری، علاقائی، لسانی اور برادری کی عصبیتوں کو ابھارنا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی صورت میں ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا لیکن ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہے کہ حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ یہ قوتوں کا، صلاحیتوں کا، سرمایہ کا محض ضیاع ہوگا۔ اسلام اس راستہ سے آ ہی نہیں سکتا۔ اس الیکشن بازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جماعتوں کے تحزّب اور تخالف سے ملّی اتحاد میں ایسے رخنے پیدا ہوتے ہیں کہ انتہائی کوشش کے باوجود ان کا بھرنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ تحزّب و تخالف بسا اوقات دائمی نفرت اور عداوت کا رخ اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی تباہ کاریوں سے کون ہے جو ناواقف ہوگا۔

پاکستان میں اسلام آئے گا تو اس طور پر کہ اگر کوئی جماعت ہے، معتدبہ افراد پر مشتمل ہے۔ انفرادی طور پر اس کا ہر رکن تقویٰ، اسلام کی روش پر کاربند ہونے کے لئے دل و جان سے کوشاں ہے۔ حبل اللہ یعنی قرآن مجید سے اس کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہر نوع کے فقہی اختلافات سے اس کا دامن محفوظ ہے۔ وہ ائمہ اربعہ اور محدثین علیہم الرحمۃ کے فقہی اختلافات کو اسلام کا نہیں بلکہ تعبیر کا، استنباط کا، استخراج کا، راجح و مرجوح کا، افضل و مفضول کا فرق سمجھتا ہے اور ان آراء کو مبنی بر قرآن و سنّت تسلیم کرتا ہے۔ وہ جماعت اقتدار وقت کو چیلنج کرے گی کہ منکرات کا کام ہم یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ہماری لائن پر ہوگا۔ منکرات وہ سامنے رکھے جائیں گے جن کے منکر ہونے پر کسی فقہی مکتب فکر کو اختلاف نہ ہو۔ سب اس کو منکر تسلیم کرتے ہوں۔ جیسے بے حیائی ہے بے پردگی ہے، مردوں عورتوں کے مخلوط اجتماعات ہیں جوان بچیوں کا سینہ تان کر کھلے عام پریڈ ہے، ہماری بچیوں کا ائیر ہوسٹس کے طور پر نامحرموں کے ساتھ طویل سفر ہے[1] سودی نظام معیشت ہے۔ یہ ہے اصل طریق کار۔ یہ ہے ایک مسلمان حکومت کے اندر من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ کے فرمانِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک نوع کی تعمیل کی کوشش۔ کیا آج دنیا میں لوگ اپنے سیاسی حقوق کے لئے یہ نہیں کرتے! یہ ایجی ٹیشن کیوں ہوتا ہے! یہ مظاہرے کیوں ہوتے ہیں! صرف سیاسی حقوق کے لئے۔ یا صرف کسی دنیاوی سہولت کیلئے۔ لیبر یونینیں اپنی اجرت بڑھوانے اور دوسری مراعات حاصل کرنے کے لئے مظاہرے کرتی ہیں یا نہیں! لیکن صرف دین کے لئے، نہی عن المنکر کے لئے Demonstration یعنی طاقت کا پُرامن مظاہرہ کہ یہ منکر کام ہم یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ یہ طریقہ پانسہ پلٹ کر رکھ دے گا۔

---

[1] حیرت ہے فریضۂ حج کیلئے عورت کیساتھ محرم کی شرط حکومت نے قائم رکھی ہے اور صحیح ہے لیکن ائیر ہوسٹس کے نامحرموں کے ساتھ طویل سفر پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ این چہ بوالعجبیست! (مرتب)

اس کا کیا نتیجہ نکلے گا! دو ہی شکلیں ہیں۔ یا حکومتِ وقت پسپائی اختیار کرے گی[1] بشرطیکہ
اس جماعت کی طرف سے صاف صاف DECLARE ہو یعنی اعلان ہو کہ ہم کسی اقتدار کے طالب
نہیں، ہم کسی طبقاتی مفاد کے خواہاں نہیں۔ ہم صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو دین کی رُو سے منکرات
ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے مظاہروں اور پکٹنگ کے لئے میدان میں آئیں۔ البتہ جیسا
میں کہہ چکا ہوں کہ اس کی شرط یہ ہے کہ یہ سب کچھ پُرامن ہو۔ یہ نہیں کہ آپ نے ٹریفک سگنل توڑ دیئے
ایک چلتی بس ٹھہرائی اور اس کے ٹائروں سے ہوا نکال دی۔ اس سے کیا حاصل ہوا! ۔ اس بس کے جو
ساٹھ ستر مسافر تھے ان کو آپ نے تکلیف پہنچائی۔ نہ معلوم کس کو کتنی دور جانا تھا! — یا سرکاری
املاک اور خاص طور پر سرکار کے زیر انتظام چلنے والی بسوں کو آگ لگا دی۔ معاذ اللہ! وہ بس کس
کے باپ کی نہیں تھی اس غریب قوم کی تھی جس کا ایک ایک بال بیرونی قرضوں میں بندھا ہوا ہے۔
آپ نے سرکاری املاک اور بسوں کو نقصان پہنچا کر اور جلا کر اس غریب قوم پر قرضوں کے بار میں مز
اضافہ کر دیا۔ حکومت یہ کرے گی کہ کوئی نیا غیر ملکی قرضہ لے گی اور اس نقصان کو پورا کر لے گی۔ نتیجہ
یہ کہ قوم قرضوں کے بوجھ تلے مزید دب جائے گی پھر پولیس کی کوئی لاری یا ٹرک آیا تو اس پر پتھراؤ شرو
کر دیا۔ نتیجہ! یہ کہ پولیس والے جو آپ ہی کے بھائی بند ہیں، آپ کے خلاف مشتعل ہو گئے ——— ا
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھئے۔ بارہ برس تک مکہ میں حضورؐ پر اور خاص طور پر آپؐ کے
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر تشدد ہوا۔ لیکن کسی نے ہاتھ تک نہیں اٹھایا۔ انہیں مارا گیا، ایک
مومن خاوند و بیوی حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ نہایت بہیمانہ طور پر شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بلالؓ
سفاکانہ طور پر مکہ کی سنگلاخ اور تپتی زمین پر اس طرح گھسیٹا گیا۔ جیسے کسی مردہ جانور کی لاش کو گھ

---

[1] یاد ہوگا کہ اسی پُرامن مظاہرے اور گھیراؤ (Blockade) کے ذریعہ سے اہل تشیع نے زکوٰۃ آرڈی ننس
میں اپنے حق میں ترمیم کرنے پر حکومتِ وقت کو مجبور کر دیا تھا۔ اور حکومت بھی سول حکومت نہیں بلکہ مارشل
کی حکومت کے گھٹنے ٹکوا دیئے تھے جسے کم و بیش وہ Divine Rights حاصل ہوتے ہیں جو کبھی مطلق
بادشاہوں اور شہنشاہوں کو حاصل ہوتے تھے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ـــ شہادت اور دیت کے مسائل پر
مٹھی بھر خواتین کے مظاہروں اور احتجاج کے آگے اسی مارشل لا حکومت کو ہتھیار ڈالنے پڑے یا نہیں! اور یہ مس
قانون جن کو اسلامی نظریاتی کونسل نے تیار کیا تھا، سرد خانے میں ڈالا گیا یا نہیں ـــ اور اب اہل تشیع کی طرف سے نف
کے لئے مظاہروں اور احتجاج کا معاملہ آ گیا ہے کہ نہیں! ابھی ایسے نہ معلوم کتنے معاملات آئیں گے۔ (مرتب)

جاتا ہے جس کو ایک سلیم الطبع شخص گوارا نہ کرے۔ حضرت خبابؓ کو دہکتے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی کمر کی چربی اور خون سے انگارے ٹھنڈے ہو گئے۔ لیکن کسی کو بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جس کا مقصد یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ وہ جماعت منظم ہو ـــــ وہ جماعت Disciplined ہو۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ اس جماعت کے کارکن تقویٰ، اسلام، اور اعتصام بالقرآن کی سیڑھیوں پر کسی نہ کسی درجہ میں قدم رکھ چکے ہوں۔ اس کا عزم مصمم کر چکے ہوں۔ وہ فقہی اختلاف میں الجھنے والے نہ ہوں ـــ وہ جماعت ایک امیر کے حکم پر حرکت کرتی ہو۔ رُکنے کو کہا جائے تو رکیں اور بڑھنے کو کہا جائے تو بڑھیں۔ جب تک یہ شکل نہیں ہو گی۔ اسلامی نظام آنے کا امکان پیدا نہیں ہو گا ـــ

میں نے دو شکلیں بیان کی تھیں۔ پہلی یہ کہ حکومتِ وقت پسپائی اختیار کرے اور ہمارے مطالبات کو مان لے منکرات ختم ہوں، ان کی جگہ معروفات لے لیں۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہم منظم مظاہروں کے ذریعہ سے پوری شریعت نافذ کرا سکیں گے۔ چونکہ اربابِ اقتدار کو یہ اطمینان ہو گا کہ یہ جماعت اپنا اقتدار نہیں چاہتی بلکہ اس کا مقصود و مطلوب صرف اسلامی نظام ہے۔ چنانچہ انہی کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم و نافذ ہو جائے گا اور فہوالمطلوب۔ یا دوسری شکل یہ ہو گی کہ حکومت مزاحمت کرے اسے اپنی انا اور وقار کا مسئلہ بنا لے اور مسندِ اقتدار یا ایوانِ اقتدار کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہو جو چاہے زبانی کلامی اسلام کے اور اس کے نظامِ عدل و قسط کے بڑے قصیدہ گو اور مدح سرا ہوں لیکن جن کے قلوب حقیقی نورِ ایمان سے خالی ہوں تو وہ مزاحمت کریں گے۔ تصادم ہو گا۔ مظاہرین پر لاٹھی چارج ہو گا، گولیوں کی بوچھاڑ ہو گی ان کو جیلوں میں ٹھونسا جائے گا۔ قید و بند کی تکالیف ہوں گی حتیٰ کہ پھانسی کے پھندے گردنوں میں پڑیں گے۔ ان سب کو اگر جماعت پُرامن طریق پر جھیل جائے ـــــ وہ Violent نہ ہو یعنی وہ کوئی جوابی کارروائی نہ کرے۔ نہ جماعت کا کوئی رکن معافی اور توبہ نامہ لکھ کر جیل سے یا پھانسی سے بچنے کی فکر کرے تو ان شاء اللہ پھر بھی دو نتیجے نکلیں گے۔ یا تو وہ جماعت اس راہ میں قربان ہو جائے گی۔ کچل دی جائے گی، تو آخرت کے اعتبار سے یہ بہت بڑی کامیابی ہے بلکہ اصل کامیابی یہی ہے: ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس جماعت کو اپنے ایثار و قربانی سے عوام الناس کی عملی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی۔ وہ پوری طرح اس کا ساتھ دیں گے۔ اسی طرح پولیس اور فوج بھی تو ہمارے مسلمان بھائیوں پر مشتمل ہے۔ آخر وہ بھی انسان

ہیں۔ ان کا دل ان شاء اللہ نرم پڑ جائے گا۔ ان کی عملی ہمدردیاں بھی اس جماعت کے ساتھ ہو جائیں گی۔ ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ پہلے تو شہنشاہ کے حکم پر پولیس اور فوج نے نے مظالم اور تشدد کی حد کر دی لیکن جب انقلابی جماعت کے ساتھ عوام الناس کی اکثریت بھی شامل ہو گئی تو فوج نے گولیاں برسانے اور پولیس نے لاٹھی چارج اور انسٹک آور گولوں کی بوچھاڑ سے انکار کر دیا۔ جب یہ صورتحال پیدا ہوئی، تب ہی تو شہنشاہ ایران جیسے جابر شخص کو جس نے اپنے گرد اگرد ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے تقدس کا ہالہ بھی قائم کر رکھا تھا، اپنی جان بچا کر ملک سے فرار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ کم و بیش یہی صورتِ حال ۱۹۷۷ء کی نظام مصطفیٰؐ کی تحریک کے موقع پر پیش آئی۔ بھٹو صاحب نے لاہور اور کراچی میں جنرل مارشل لاء نافذ کر دیا تھا۔ لیکن وہ وقت آیا کہ فوج نے مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ تحریک پُرامن بھی نہیں تھی۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے بھٹو صاحب جیسے ضدی شخص کو جھکنا پڑا اور وہ قومی اتحاد کے اکابر سے مصالحت کی گفتگو پر آمادہ ہو گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور اس تصادم و کشمکش کا فائدہ کوئی دوسرا اٹھا گیا۔

ایسی جماعت کے لازماً وجود اور مقاصد کے لیے جہاں ہمیں اس آیت مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے کہ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ وہاں اس کے اصول و مبادی، اوصاف اور غرض و غایت کے لیے رہنمائی اس حدیث شریف سے ملتی ہے جو حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی ہے جو میں آپ کو سنا چکا ہوں اس کی مختصر تشریح بھی کر چکا ہوں۔ حدیث اور اس کا ترجمہ پھر سن لیجیے، چونکہ یہ حدیث اس دور کے لئے جب اسلامی نظام بالفعل کہیں قائم و نافذ نہ ہو ایک جماعت کی تشکیل، اس کے وجود، اس کے اوصاف اور اس کے مقاصد کے لئے بمنزلہ کلید ہے۔ حضرت حارث الاشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ "میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: التزام جماعت کا، سمع و طاعت کا اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کا"۔ جماعت درکار ہے۔ افراد نہیں، ہجوم نہیں، 658 نہیں اور جماعت ڈھیلی ڈھالی نہیں۔ چار آنے کی ممبری والی نہیں۔ صدروں کی ٹانگیں گھسیٹنے والی جماعت نہیں بلکہ سمع و طاعت والی جماعت جو دینی نظام ہے۔ اس جماعت کے سامنے مقاصد کیا ہوں گے! اللہ کی راہ میں "ہجرت" اور "جہاد" ــــ جنہوں

نے "روبرو" والا پروگرام دیکھا ہوگا۔[1] انہیں یاد ہوگا کہ ہمارے مولانا ہاشمی صاحب ہجرت کے لفظ کے بارے میں مجھ سے الجھتے رہے کہ اس کے معنی صرف "ترکِ وطن" ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ محترم! میں آپ کو حدیث سنا رہا ہوں جس میں اس لفظ کو وسیع تر معنی اور مفہوم میں حضورؐ نے استعمال فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ "یا رسول اللہ بہترین اور اعلیٰ ہجرت کون سی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ "ہر اُس چیز کو چھوڑ دو جو تمہارے رب کو پسند نہیں ہے"۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ البتہ یہ نیت رکھنی ضروری ہے کہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے، اسے قائم کرنے کی جدوجہد کے لیے گھر بار، اہل وعیال، مال ومنال یہانتک کہ اپنے وطن کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دوں گا۔ یہ نیت ہر مسلمان رکھے۔ لیکن اگر آپ کی زندگی میں کوئی معصیت ہے اسے ترک کرنے کا فیصلہ کیجیے۔ اسی لمحہ سے ہجرت کا عمل شروع ہو جائے گا۔ مزید برآں عوام الناس تو عوام الناس ہمارے اکثر اہل علم بھی اس مغالطہ میں ہیں کہ جہاد کے معنی جنگ کے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ہمارے دین کی بڑی وسیع المعانی اور مفاہیم رکھنے والی اصطلاح ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ تو آپؐ نے فرمایا: اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ۔ "کہ تم اپنے نفس سے جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ"۔ ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے: اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ۔ "حقیقی مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کے خلاف کشمکش کرے"۔ تو جہاد یہاں سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اسی جہاد کے اگلے مراحل ہیں غیر اسلامی نظریات، منکرات اور غیر اسلامی نظام کے خلاف کشمکش اور پنجہ آزمائی — اسی جہاد کی بلند ترین چوٹی ہے "قتال فی سبیل اللہ"۔ لہٰذا دل میں یہ نیت رکھنی ضروری ہے کہ اے اللہ! وہ وقت آئے کہ صرف تیرے دین کے غلبہ کے لئے تیرے کلمہ کی سربلندی کے لئے میری گردن کٹے۔ اس لئے کہ اگر یہ آرزو سینہ میں موجود نہیں ہے تو وہ ایک مومن کا سینہ نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے نہ تو اللہ کی راہ میں جنگ کی، نہ جنگ کی آرزو اپنے سینہ میں رکھی، نہ شہادت کی تمنا اپنے سینہ میں رکھی تو اگر اس حالت میں اسے موت آگئی: فَقَدْ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ

---

[1] یہ پروگرام کیسٹ سے منتقل کر کے "میثاق" کے جولائی ۸۵ کے شمارہ میں شائع کیا جا چکا ہے۔ وہاں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ (مرتب)

مِّنَ النِّفَاقِ ۔" تو ایسا شخص یقیناً ایک نوع کے نفاق پر مرا ہے ۔" یعنی حقیقی ایمان پر نہیں مرا۔ تو یہ ہے 'ہجرت و جہاد' ۔۔۔ ہجرت شروع کہاں سے ہوئی ؟ ترکِ معصیت سے ' اور کہاں تک جائے گی ؟ ترکِ وطن تک ۔ جہاد کہاں سے شروع ہوا ! جہاد مع النفس سے اور کہاں تک جائے گا ! قتال فی سبیل اللہ تک ۔۔۔ لیکن اس لائحہ عمل پر چلنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے اور وہ جماعت بیعتِ سمع و طاعت پر قائم ہو ۔ البتہ اس کے ساتھ 'فی المعروف' کی شرط ہوگی ۔

میں نے آغاز میں تین آیاتِ مبارکہ اور تین ہی احادیثِ شریفہ پڑھی تھیں ۔ درمیان میں اور آیات و احادیث بھی مزید وضاحت کے لئے آئی ہیں ۔ لیکن میری آج کی گفتگو کا اصل موضوع وہ لائحہ عمل ہے جو ان آیات اور احادیث کے ذریعہ سے ہمارے سامنے آتا ہے ۔ میں اپنی گفتگو ختم کرنے سے قبل پھر وہ آیات اور ان کا ترجمہ سنا دیتا ہوں چونکہ اصل سبق اور اصل دولت تو یہ ہے تاکہ آپ اپنے ذہن میں آج کے درس کا حاصل تازہ کر کے اٹھیں ۔ پہلی آیت میں فرمایا : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔۔۔ "اے اہلِ ایمان یا اے ایمان کے دعویدارو ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھنا موت ہرگز نہ آئے مگر فرمانبرداری کی حالت میں ۔" ۔۔ دوسری آیت : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔" اور اللہ کی رسی کو تم مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں مت پڑو ' انتشار میں مبتلا نہ ہو ۔" اور حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے ۔ اس کو تین احادیث سے میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں ۔۔۔ قرآن مجید سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کے نتیجہ میں فکری و ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگی ۔ اور عملی اشتراک و تعاون وجود میں آئے گا ۔۔۔ اس کے بعد ایک تاریخی بات سے استشہاد تھا ۔ اس کو میں چھوڑ رہا ہوں ۔ چونکہ ذکر کر چکا ہوں کہ ہمارے حالات بھی اس تاریخی پس منظر سے مختلف نہیں ہیں ۔۔۔ تیسری آیت کا پہلا حصہ ہے : وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ " اور تم میں سے لازماً ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے " ۔۔۔ یہاں "منکم" تم میں سے نہایت قابلِ غور ہے ۔ اس جماعت کے تین مقاصد ہوں ۔ پہلا مقصد يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ " نیکی کی دعوت " خیر کو وسیع تر معنی میں لیا جائے تو مراد ہوگی ' قرآن کی دعوت " ۔۔۔ دوسرا مقصد وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ " نیکی بھلائی کا حکم " ۔۔۔ اور تیسرا مقصد : وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔۔۔ " بدی اور برائی سے روکنا " ۔۔۔ اس بدی و برائی کو روکنے کے تین مدارج ہیں جو دو احادیثِ شریفہ سے ہمارے سامنے آئے ۔ پہلا درجہ طاقت سے روکنا ۔ دوسرا درجہ زبان سے روکنا ۔

تیسرا درجہ دل سے روکنا یعنی دل میں اس کے خلاف اضطراب محسوس کرنا ـ اور یہ آخری درجہ ہے کہ جس کے متعلق ایک حدیث کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ اگر یہ حالت یعنی دل کی بیکلی، بے چینی، صدمہ اور کرب نہ ہو تو وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ ـ " تو رائی کے برابر بھی حقیقی ایمان دل میں موجود نہیں ہے"
اس کے لئے ہماری کوشش کیا ہونی چاہیئے! اعلیٰ اور پہلے درجہ کی۔ اس کے لئے طریقہ کیا ہوگا! وہ جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔ قرآن کی دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے ایک ایسی جماعت فراہم کی جائے اور تشکیل دی جائے جو اپنی استقامت سے اپنے ثبات سے، اپنے صبر سے اپنے ایثار سے، قربانی سے، اپنی باہمی محبت سے اور جماعتی طور پر اپنی ہجرت و جہاد، اپنی کوشش و محنت سے اللہ کے دین کا بول بالا کرے، منکرات کا استیصال کرے۔ جو لوگ یہ کام کریں گے تو اس آیت کے آخر میں ان کو بشارت دی گئی : وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ " اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ ایسے موقع پر ہمیشہ دل میں دعا کیا کیجئے : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ـ اے اللہ ہمیں ان مفلحین میں شامل فرما جو تیرے بتائے ہوئے ان تمام راستوں پر عمل پیرا ہوں۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی انفرادی زندگیوں میں تقویٰ، اطاعت اور فرمانبرداری کی روش اختیار کریں۔ ہم قرآن سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ہمارا ذہنی و قلبی اور عملی تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اور اے اللہ! ہمیں ہمت دے کہ ہم ایک جماعت کی شکل اختیار کریں جو سمع و طاعت کی بنیاد پر قائم ہو اور جس کا مقصد صرف دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین!

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيٰت والذكر الحكيم ط

—•○•—

بقیہ : حضرت عبداللہ بن مبارک

جاتا تھا۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ عقل کو تین قسم کے لوگوں سے خوف نہیں کھانا چاہیئے۔ علماء سے، سلطان سے، اور اپنے مسلمان بھائیوں سے۔ جس کسی نے علماء سے خوف کھایا اس نے اپنی آخرت برباد کرلی، جو سلطان سے ڈرا اس کی دنیا خراب ہوگئی اور جس نے مسلمان بھائیوں سے گریز کیا اس کی مروت جاتی رہی۔

مولانا محمد تقی امینی

قسط (۷)

ہدایت القرآن

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ

یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے متقیوں کیلئے ہدایت ہے۔

کتاب ہدایت کے شروع میں سب سے پہلے کتاب کا تعارف ہے پھر اسکے بعد ان لوگوں کا تعارف ہے جن سے کتاب (قرآن) کو سابقہ پیش آنے والا ہے کتاب کے تعارف میں تین باتیں کہی گئی ہیں۔ پہلی دو باتیں خود کتاب سے متعلق ہیں اور تیسری بات اسکی اصل غایت سے متعلق ہے جیسے کسی انسان کا تعارف کرانا ہو تو پہلے اس کی ذات سے متعلق کچھ باتیں کہی جائیں پھر اس کی آمد کا اصل مقصد بتایا جائے ظاہر ہے کہ یہ تعارف اللہ رب العزت کی طرف سے ہے اور اس کتاب کے بارے میں ہے جو اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اتاری ہے اس بنا پر تعارف کا وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جو اللہ کی عظمت و بڑائی کے شایانِ شان ہے اگر کسی اور کی طرف سے تعارف ہوتا تو اس میں بلندی و برتری کی یہ روش نہ اختیار کی جا سکتی جو اس میں پائی جا رہی ہے۔

۱۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور خوبی و کمال کے لحاظ سے بھی کہ اس کے مقابلہ میں ہدایت کے لئے جتنی کتابیں ہیں وہ سب ناقص ہیں ذٰلک سے اشارہ جس طرح دور کے لئے ہوتا ہے درجہ اور مرتبہ کی بلندی کے لئے بھی ہوتا ہے۔ الف لام "الکتاب" میں جس طرح خصوصیت کے لئے آتا ہے خوبی و کمال کے لئے بھی آتا ہے اس لحاظ سے عظیم الشان کا مفہوم خود "ذٰلک الکتاب" میں موجود ہے۔

۲۔ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یعنی درجہ اور مرتبہ خوبی اور کمال ہر لحاظ سے یہ کتاب شک و شبہ سے بالاتر ہے کسی طرف سے کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ متقیوں کے لئے ہدایت ہے بارش کی کارگذاری دکھانا

ہو تو اس زمین کو منتخب کیا جائے گا جو پیداوار کے لحاظ سے سب سے بہتر ہو۔ سورج کی کارگذاری بیان کرنا ہو تو ان کی نسبت سے بات ہوگی جن کی آنکھیں کھلی ہوں۔ اسی طرح کتاب ہدایت کا تعارف اسکی کارگذاری سے کرانا ہو تو ان افراد کو منتخب کیا گیا جو اس کو قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے اہل ہیں قرآن کی زبان میں ان افراد کا نام "متقین" ہے۔

"متقین" متقی کی جمع ہے جو تقویٰ سے بنایا گیا ہے تقویٰ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اُس روحانی کیفیت کا نام ہے جو ابتدا سے انسان کے اندر پیوست کر دی جاتی ہے جسکی تعبیر دل کی روشنی سے بھی کی جا سکتی ہے۔

یہ "تقویٰ" اندر کی چیز ہے جو دیکھی نہیں جاتی ہے لیکن اندر و باہر عقیدہ و عمل کی زندگی میں اس کے بے شمار اثرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے وہ جانا اور پہچانا جاتا ہے اس لحاظ سے تقویٰ دل کی نیکی و عمل میں سچائی کا دوسرا نام ہے جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ در اصل یہی وہ روحانی کیفیت یا دل کی روشنی ہے جو انسان کو قرآن کی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کا اہل بناتی ہے اور اسمیں عقیدہ و عمل کی جو باتیں ہیں انکو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس موقع پر متقین کا لفظ ہدایت موزوں ہے ایک سے ایک طرف اُس صلاحیت کی نشاندہی ہو جاتی ہے جو کتاب ہدایت قبول کرنے کے لئے ضروری ہے اور دوسری طرف متقین کے جو اوصاف آگے گنائے گئے ہیں ان سے کارگذاری کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے کہ اسکی کارگذاری دیکھنا ہو تو ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے کتاب ہدایت قبول کی اور ان میں یہ اوصاف پیدا ہوئے۔

قرآن کا تعارف ھدیً للناس (سب کے لئے ہدایت ہے) سے ہی ہوتا ہے جس کا دائرہ زیادہ وسیع ہے لیکن یہاں اس صفت کو نہیں لایا گیا تاکہ ھدیً للمتقین (متقیوں کے لئے ہدایت ہے) کو لایا گیا جس کا دائرہ پہلے کے مقابلہ میں محدود ہے اس کی وجہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ اوّل میں کارگذاری کا پہلو زیادہ نمایاں ہے جبکہ دوسرے میں فیض رسانی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے کارگذاری کے موقع پر وہی صفت زیادہ موزوں قرار پائی ہے جسمیں سامنے کا مشاہدہ ہو اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اسکو قبول کرکے اور اس پر عمل کرکے لوگ متقی نہیں بنتے ہیں اور فیض رسانی کے

موقع پر اس کی عمومیت ثابت ہونے کے بعد پرواہ نہیں رہتی کہ کتنے لوگ فیضیاب ہوتے اور کتنے نہیں ہوتے ہیں۔

قرآن میں "تقویٰ" کا استعمال بہت سے معنوں میں ہوا ہے مثلاً اللہ سے ڈرنا۔ برائیوں سے بچنا۔ محتاط زندگی گذارنا پرہیزگاری اختیار کرنا نقصان دہ چیزوں سے بچنا۔ اللہ کے سامنے عجز و زاری کرنا وغیرہ یہ اور اسکے علاوہ جس قدر تقویٰ کے معنی ہیں وہ سب اسی رُوحانی کیفیت یا دل کی روشنی کے اثرات ہیں جو انسان کی اندرونی و بیرونی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں، آگے جہاں بھی یہ لفظ آئے گا موقع کی مناسبت سے ان ہی معنوں میں سے کوئی معنی اختیار کئے جائیں گے۔

قرآن کا یہ تعارف چونکہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کے علم میں لوگوں کی نفسیاتی کیفیتیں اور قبول کرنے کی صلاحیتیں ہیں اس بنا پر اس نے اپنے علم کی بنا پر اعلام و یکساں ہوگی قرآن کا آفتاب اگرچہ سب پر یکساں چمکے گا لیکن اسکو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے وہی سامنے آئیں گے جن میں فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہوگی اگر یہ تعارف اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا جسکو انسان کے اندر کا علم نہ ہوتا تو اسکو اس بلند و برتر مقام سے گفتگو کا حق نہ ہوتا۔

دراصل اللہ کی گفتگو کا ہی بلند و برتر مقام ہے جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو قرآن کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ان گروہوں کا تعارف جن سے قرآن کو سابقہ پیش آنیوالا ہے۔

کتاب ہدایت (قرآن) کے تعارف کے بعد اب ان لوگوں کا تعارف ہو رہا ہے جن سے کتاب کو سابقہ پیش آنیوالا ہے۔ ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم فطری ہے جو قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر سچائی کے پروگرام کو ہمیشہ انہیں تینوں سے سابقہ پیش آتا رہا ہے۔

۱ - وہ جو آسانی سے اس کی ہدایت قبول کر لیتے ہیں۔

۲ - وہ جو کسی قیمت پر ہدایت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔

۳ - وہ جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں انکے کچھ اور ہوتا ہے۔

پہلے گروہ میں ہدایت کی صلاحیت رُوحانی کیفیت یا دل کی روشنی موجود ہوتی ہے

دوسرے گروہ میں ہدایت کی صلاحیت ختم ہو چکی ہوتی ہے تیسرے گروہ میں ہدایت کی صلاحیت اگرچہ پوری طرح نہیں ختم ہوتی لیکن اس سے کام لینے کی صلاحیت نہیں باقی رہتی ہے۔

پہلا گروہ

الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ تا المفلحون

"جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا اور اس پر (بھی) جو آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح (کامیابی و مراد) پانے والے ہیں۔

پہلے گروہ کی حالت و کیفیت یہ مشاہدہ میں آتی ہے مثلاً

(ا) وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں" ایمان" سے مراد کسی بات کے ماننے کی وہ پختہ اور گہری بنیاد ہے جو ذہن میں جمی ہوتی ہے اور جس پر عمل کی پوری عمارت تیار ہوتی ہے "غیب" سے مراد اللہ کی ذات و صفات اور تمام وہ باتیں ہیں جو ہمارے علم و معلومات کی دنیا سے آگے کی ہیں، لیکن ہر دور و زمانہ میں اللہ اپنے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے ذریعہ ان کی خبر دیتا رہا ہے۔

ایمان کے اثرات زندگی میں بڑے دُور رس ہوتے ہیں۔ یہی زندگی میں حرارت و جرأت پیدا کرتا ہے اِس کو قربانی و جہاد پر آمادہ کرتا اور پھر انسان وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو اس کے بغیر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے مادی و رُوحانی انقلاب اسی ایمان کی بدولت ہوتے ہیں۔ جن نظریات (خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی) پر انسان ایمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر وہ ذہن میں راسخ نہ ہوں اور ان کی بنیاد پختہ اور گہری نہ ہو تو ان کی خاطر نہ کوئی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور نہ عملی زندگی میں کسی بڑے انقلاب تک بات پہنچتی ہے۔

غیب پر ایمان کی بڑی اہمیت ہے اللہ کی ہدایت میں اس کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتا ہے۔ اسی سے زندگی میں روحانیت کا ثبوت ملتا ہے، اسی سے زندگی کا رُخ متعین ہوتا ہے کہ اس کا تمام تر رخ اسی مادی دنیا کی طرف نہیں ہے۔

بلکہ اس سے آگے جو بہت کچھ ہے وہ بھی اِس کے پیشِ نظر ہے، اسی سے انسان کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس کی ذہنیت روحانی ہے یا مادی بن چکی ہے، مادی ذہنیت میں انسان اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے، اِس سے اُوپر اُٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے اور روحانی ذہنیت میں انسان اسی دنیا پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ اِس کے آگے جو بہت کچھ ہے اِس کے حاصل کرنے کی بھی فکر رکھتا ہے، پھر اِس کی خاطر زندگی گذارنے کے طور طریقے میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

ایمان بالغیب اُن سب کو جامع ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور تقریباً یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہماری نظر سے غائب ہیں، اللہ، فرشتے، اللہ کے بھیجے ہوئے سارے پیغمبر، اللہ کی اتاری ہوئی ساری کتابیں، آخرت اور علمِ الٰہی میں ہر چیز کا اندازہ (تقدیر) ان میں کون ایسا ہے جو ہر ایک کی نظر کے سامنے ہو۔

(ب) وہ نماز قائم کرتے ہیں، نماز کے لیے جگہ قائم کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے اس کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی ہے اس میں نماز کی شکل و صورت، خلوص اور خشوع سب ہی آجاتے ہیں، اگر قائم کرنے کے بجائے نماز پڑھنے کا لفظ استعمال کیا جاتا تو اس میں یہ جامعیت پیدا نہ ہوتی۔

(ج) وہ اللہ کی دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کی جس قدر نعمتیں بندوں کو ملتی ہیں وہ سب رزق (عطیہ و بخشش) میں شامل ہیں جن کو وہ متقین صحیح جگہ استعمال کرتے اور حق کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً مال و دولت، صحت و صلاحیت اور علم و حکمت وغیرہ۔ ان میں نہ وہ بخل کرتے ہیں اور نہ ان کو غلط جگہ استعمال کرتے ہیں اور نہ بے جا خرچ کرتے ہیں۔

اِس موقع پر متقین کی عملی زندگی میں ان کی صرف دو سنتوں کو ذکر کیا ہے۔ جن سے پوری زندگی کا پتہ چل جاتا ہے۔ (۱) نماز اور (۲) انفاق (خرچ کرنا) نماز سے اللہ کے ساتھ تعلق کی وضاحت ہوتی ہے اور انفاق سے دوسروں کے ساتھ تعلق کی وضاحت ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ ان کا تعلق عجز و نیازمندی، صفائی و ستھرائی، خلوص اور توجہ کے ساتھ ہوتا ہے چالبازی و موقع پرستی کا تعلق نہیں اختیار کرتے ہیں یعنی وہ ایسا نہیں کرتے کہ جب تک فائدہ حاصل ہوتا رہے اللہ کے ساتھ تعلق قائم رہے اور جہاں فائدہ کو خطرہ نظر آئے یا نقصان کا اندیشہ ہو

وہاں اِس تعلق کو توڑ دیں اور فائدہ حاصل کر لیں، دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ عالی ظرفی، فراخ حوصلگی اور حق شناسی کا ہوتا ہے کم ظرفی و حق فراموشی کا نہیں ہوتا۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اِس کو وہ اللہ کی نعمت اور اس کی بخشش سمجھتے ہیں اپنی کسی کوشش و کاوش کا نتیجہ نہیں قرار دیتے کہ کوشش و کاوش کو بار آور بنانا بھی اللہ ہی کے قبضہ و قدرت کی بات ہے۔

(ل) وہ کتابِ ہدایت پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ کتاب چاہے وہ ہو جو آپؐ پر اتاری گئی اور چاہے وہ جو آپؐ سے پہلے نبیوںؑ اور رسولوںؑ پر اتاری گئی۔ یعنی وحی و نبوت کے پورے سلسلے پر ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہدایتِ الٰہی کی روشنی ہمیشہ چمکتی رہی، نبوت کا آفتاب ہمیشہ طلوع ہوتا رہا۔ کوئی دور و زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ انسان اس دنیا میں موجود رہا ہو اور نبوت و ہدایت سے محروم رہا ہو جس سے ایک طرف انسان کی تربیت ہوتی رہی اور دوسری طرف دنیا کی آبادکاری و ترقی میں اس کی کارگذاری نمایاں ہوتی رہی۔

(س) وہ آخرت کو یقینی جانتے ہیں۔ آخرت سے مراد وہ عالم ہے جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں وہ کسی شک و تذبذب میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے جس میں ہر ایک کو اس کے اچھے بُرے کاموں کا بدلہ ملے گا۔ اس دنیا میں انسان اچھا بُرا جو کچھ کرتا ہے اِس کا تمام تر بدلہ یہاں نہیں مِل پاتا ہے۔ اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قدرت کے سامنے دنیا کا انتظام چلانے کے لیے مستقل پروگرام ہے جو انسان ہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے ادھر جزا و سزا کا بھی مستقل قانون ہے جو انسان ہی کے اچھے بُرے کاموں کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔ مان لیجئے کہ اگر سزا کا تمام تر قانون اسی دنیا پر نافذ کر دیا جائے تو ہر ایک کو اتنا زیادہ ملے گا کہ اس کے بعد اپنے کام کی رفتار کو جاری رکھنا اور ترقیاتی پروگرام میں حصّہ لینا دشوار ہو جائے گا۔ اِس سے بھی قدرت کے پروگرام میں خلل پڑنا لازمی ہے۔ ایسی حالت میں قدرت نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے یہاں دنیا کے نظام کو مقدم رکھا اور جزا و سزا کے تمام تر تقاضا کو عالمِ آخرت کے لیے مؤخر کر دیا دنیا میں بس اس حد تک سزا کا سلسلہ جاری کیا کہ انسان آزاد و بے لگام نہ ہونے پائے اور جزا کا سلسلہ بھی بس اس حد تک جاری کیا کہ ہر شخص کے حسبِ حال

اِس سے کام کی رفتار میں فرق نہ آنے پائے، یہ اس دنیا میں تمام تر جزا و سزا کے جاری نہ ہونے کا ایک پہلو ہے اللہ کی نظر میں اس کے بہت سے پہلو ہیں جن تک رسائی اور ان کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔

( ) سورہ فاتحہ میں ہدایت کی دعا مانگی گئی تھی۔ کتاب ہدایت کے شروع ہی میں متقین کے اوصاف گنا کر بتا دیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں جن کو فلاح دارین حاصل ہے۔

پہلے گروہ کے یہ چند اوصاف بطور نمونہ بیان ہوئے ہیں جو ان مشرکین و اہل کتاب میں دیکھے جا سکتے تھے جنہوں نے سچائی کے ساتھ کتاب ہدایت قبول کی تھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانہ کے اُن لوگوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جنہوں نے کتاب ہدایت قبول کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ چالاکی کا رویہ نہیں اختیار کیا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے جملہ وابستگان نوٹ فرمالیں کہ

انجمن کا سالانہ اجلاس عام

اتوار ۶ اپریل ۸۶ء کو ۵ بجے شام

قرآن اکیڈمی ۳۶ ماڈل ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہو گا۔

المعلن: (شیخ) الطاف حسین معتمد انجمن

سیرت وسوانح

حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ

——نصرت علی اثیر

نقدِ حدیث

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ معرفتِ حدیث اور نقدِ حدیث میں بہت نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ معاصرین آپ کو طبیب کہا کرتے تھے۔ آپ احادیث کو ان کے مضمون، سند اور راوی کے اعتبار سے خوب چھان پھٹک کے لیتے تھے۔ آپ کی شرطیں بڑی کڑی تھیں۔ حبیب بن واضح فرماتے ہیں: کہ "حضرت عبداللہ بن مبارک سے ایک آدمی نے پوچھا کہ علم کس سے حاصل کیا جائے میں نے انہیں فرماتے سنا کہ اس سے جس نے علم اللہ کے لیے حاصل کیا ہو اور اس کی سند میں کافی شدت ہو۔ وہ اس ثقہ سے لیتا ہو جو آگے ثقہ سے ہی روایت کرتا ہو۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ صرف ثقہ کی ثقہ سے روایت کا سلسلہ قبول ہو"۲۶۵

وہب بن زمعہ، فضالۃ النوسی سے روایت کرتے ہیں:

قال کنت اجالس اصحاب	فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں اصحابِ حدیث
الحدیث بالکوفۃ، وکانوا	کی مجالس میں بیٹھتا تھا اور جب کبھی
اذا تشاجروا فی حدیث	کسی حدیث میں، وہ باہم مختلف ہو جاتے
قالوا مروبنا الی ھذا	اور سلسلہ حدیث خلط ملط ہو جاتا تو
الطبیب حتی نسالہ یعنون	کہتے کہ چلو سب مل کر اس طبیب کے
عبداللہ بن مبارک ۲۶۶	پاس چلتے ہیں یہاں تک کہ ہم سب

ان سے جا کر پوچھتے۔ اس طبیب سے مراد عبداللہ بن مبارکؒ تھے۔

ابواسحاق طالقانی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے استفسار کیا کہ وہ کن سے روایت کرتا

---

۲۶۵ حافظ ذہبی: "تذکرۃ الحفاظ" : ۱ : ۲۵۴

۲۶۶ کردری : مناقب امام اعظم : ۱ : ۱۷۹ دائرہ معارف نظامیہ دکن ۱۳۲۱ھ

ہے۔ میں نے کہا کہ شہاب بن خراش سے۔ فرمانے لگے وہ ثقہ ہیں۔ اور وہ کہاں سے؟ میں نے کہا حجاج بن دینار سے۔ فرمانے لگے وہ بھی ثقہ ہیں۔ پوچھا وہ کس سے؟ جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تو آپ کہنے لگے کہ حجاج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تو "بے شک" ایسا لق و دق بیابان ہے جس میں اونٹوں کی گردنیں بھی کٹ جاتی ہیں یعنی قابل غور فاصلہ ہے۔ ۲۶۶

آپ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث چار شخصوں سے کبھی نہ لکھی جائے۔ ایک وہ زیادہ غلطیاں کرنے والا جو اپنی غلطی سے رجوع نہ کرتا ہو۔ دوسرا جھوٹا۔ تیسرا صاحب نفس بدعتی جو بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو اور چوتھا وہ آدمی جو حافظ نہ ہو لیکن حدیث حافظے کی بنیاد پر روایت کرے۔ ۲۶۷

حسن بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے عبدالسلام بن حرب کوفی کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا "قد عرفتہ" اور آپ جس کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے گویا اسے ہلاک یعنی رد کر دیتے تھے۔ ۲۶۸

بقیہ بن ولید آپ کے شیوخ میں سے تھے لیکن آپ کا ان کے بارے میں قول ہے کہ بقیہ زبان کا سچا ہے لیکن ہر آگے اور پیچھے والے سے یعنی ثقہ اور غیر ثقہ سے لکھ لیتا ہے۔ ۲۶۹

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے کہا کہ عباد بن کثیر کا حال کس کو معلوم نہیں لیکن جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو اسے بہتر طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ اگر میں لوگوں سے کہہ دوں کہ اس سے حدیث نہ لیا کرو؟ سفیان ثوری فرمانے لگے کیوں نہیں؟ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں کسی ایسی مجلس میں ہوتا جس میں عباد بن کثیر کا ذکر ہوتا تو میں ان کی دینداری کی تعریف کرتا لیکن کہتا کہ ان سے حدیث قبول نہ کیا کریں۔ ۲۷۰

---

۲۶۷ ابونعیم اصبہانی : حلیۃ الاولیاء : ۸ : ۱۶۶ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ

۲۶۸ کتاب الکفایہ : ۱۱۳

۲۶۹ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۶ : ۱۱۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ دکن ۱۳۲۶ھ

۲۷۰ صحیح مسلم ، شرح نووی : ۱ : ۹۶

حضرت عبداللہ بن مبارک کسی محدث کے بارے میں جو کسی جھوٹ کا مرتکب ہُوا ہو کذاب کے الفاظ سے تصریح کرنے سے کتراتے تھے لیکن عبدالقدوس شامی کو آپ نے کذاب کہا۔[271]

ابواسحاق طالقانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے ابراہیم خوزی کی حدیث کے بارے پوچھا تو آپ نے انکار کر دیا۔ عبدالعزیز بن ابی رزمہ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن، حدیث بیان کرو۔ تو آپ فرمانے لگے کہ آپ مجھے ایسے گناہ کے دوبارہ کرنے کا حکم دیتے ہیں جس سے میں توبہ کر چکا ہوں۔[273]

آپ ان لوگوں سے جو سلف کو گالیاں دیتے تھے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔[274]

لا تحدثوا عن عمرو بن ثابت فانه کان یسب السلف	عمرو بن ثابت سے حدیث نہ بیان کرو۔ وہ سلف کو گالیاں دیتا ہے۔

آپ محدثین کے بارے میں ہمیشہ نیک ظن رکھتے تھے۔ لیکن اپنے اصحاب اور محدثین کے مُوقف سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ حسن بن دینار ابوسعید البصری کے بارے کہا کرتے تھے۔ اے اللہ میں ان کے بارے سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا۔ لیکن میرے اصحاب چونکہ ان کے بارے توقف کرتے ہیں سو میں نے بھی توقف کر لیا ہے۔[275]

آپ سے کسی شخص نے پوچھا کہ عادل محدث کونسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ محدث جس میں پانچ چیزیں پائی جاتی ہوں۔ اوّل وہ جو جس کی ایک طبقہ گواہی دے۔ اور دوم کہ وہ شراب نہ پیئے۔ سوم اس کے دین کے اندر قیافہ شناسی جائز نہ ہو۔

---

[271] صحیح مسلم بشرح نووی : ۱ : ۹۲

[272] " " " : ۱ : ۱۸

[273] ابنِ حجر: تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۷۹

[274] " " : ۸ : ۹

[275] " " : ۲ : ۲۷۵

چہارم وہ جو جھوٹ نہ بولے اور پنجم یہ کہ اس کی عقل میں کوئی فتور نہ ہو۔ [۲۷۶]

آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ آدمی جو بلا سند کے روایت بیان کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کہ بغیر سیڑھی کے کسی چوٹی پر چڑھ رہا ہو۔ [۲۷۷]

آپ تدلیس کو بہت بُرا جانتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے تدلیس کرنے سے یہ بہتر ہے کہ میں آسمان کی بلندیوں پر سے زمین پر پٹخ دیا جاؤں۔ [۲۷۸]

رجال پر اس تنقید کو بعض لوگوں نے بڑا بُرا محسوس کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک جنوبیوں کے گروہ نے آپ سے کہا اے ابو عبدالرحمٰن کیا تم لوگ صالح لوگوں کی غیبت کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگ خاموش ہو جائیں اور واضح نہ کریں تو پھر جھوٹ و افترا کو سچائی سے کیسے علیحدہ کیا جا سکے گا۔ [۲۷۹]

حضرت عبداللہ بن مبارک حدیث میں عمداً کذب کو جاری کرنے والے کی تکفیر کرکے واجب القتل قرار دینے کی سختی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جھوٹے کی سزا یہ ہے کہ حق اس پر واضح کر دیا جائے اور جھوٹ کے بعد اگر وہ سچ کو مان بھی لے تو پھر بھی اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ اس طرح اس کی یہ قبولیت حق اس کے لیے کوئی نفع بخش نہیں رہے گی۔ اور اس طرح اس کے عمداً کذب کی سزا مل جائے گی۔ [۲۸۰]

آپ کتابتِ حدیث کو بہت ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ اگر احادیث کو لکھا نہیں جائے گا تو ہم انہیں یاد کیسے کریں گے؟ [۲۸۱]

حضرت عبداللہ بن مبارک نقد حدیث کے استاد مانے جاتے تھے۔ آپ کو نقد حدیث کے جملہ پہلوؤں پر درک حاصل تھا۔ احادیث کی سند میں بڑے شدید تھے۔ کسی قسم کی رو رعایت نہیں مانتے تھے چاہے وہ عبادت گزاری میں یا دیگر پبلک امور میں کتنے ہی ممتاز کیوں نہ ہوں حدیث کے اکتساب میں جہاں بھی ٹھوکر کھا جاتے حضرت عبداللہ بن مبارک کی تنقید سے بچ نہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اعمش جیسے

---

[۲۷۶] کتاب الکفایہ فی علم الروایہ : ص ۷۹ [۲۷۷] صحیح مسلم شرح نووی پہلی جلد ص ۸۷
[۲۷۸] 〃 〃 : ۳۵۶ [۲۷۹] تدریب الراوی : ۵۲۰
[۲۸۰] 〃 〃 : ص ۱۱۷ [۲۸۱] تقیید العلم : ص ۱۱۴

عبادت گزار اور زاہد محدث نے احتیاط جب ملحوظ نہ رکھی تو تدلیس حدیث کے مرتکب ہوئے۔ اور اس پر حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ کوفہ میں سے سب سے زیادہ خراب حدیث ابو اسحاق اور اعمش کی ہے۔ یہ سلیمان بن مہران الاعمش آپ کے اجلۂ شیوخ میں تھے۔ ۲۸۲ھ

مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی شخصیت بحیثیت نقادِ حدیث نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ جس طرح دیگر امور میں ایک قابلِ تقلید امام اور مثالی شخصیت کے حامل تھے، اسی طرح نقدِ حدیث سے عیب جوئی اور نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس طرح کئی بڑے بڑے زہاد و عباد کی عیب جوئی کر کے ان کی مسلّم حیثیت کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رح پر بعض صوفیاء نے یہی اعتراض کر دیا کہ کیا آپ لوگ صالحین کی غیبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خاموش رہوں۔ بھلا جب ہم لوگ ظاہر نہیں کریں گے تو حق اور باطل میں امتیاز کیسے ہو سکے گا۔ ۲۸۳ھ

حجیتِ حدیث :

حضرت عبداللہ بن مبارک کے نزدیک قرآن کریم کے بعد دوسرا بڑا ماخذ حجت حدیث نبویہؐ کا ذخیرہ تھا۔ ہر وہ رائے جو قرآن و حدیث کی شرح کرتی، قبول کرتے اور جو متصادم ہوتی آپ اسے ٹھکرا دیتے۔ قرآن کے علوم کی معرفت کو آپ کس حد تک ضروری قرار دیتے تھے یہ پچھلی بحث میں واضح کیا جا چکا ہے لیکن اس بحث میں ہم آپ کی اس نمایاں حیثیت کا جائزہ لیں گے کہ حدیث کو آپ کونسا مقام دیتے تھے؟ آپ نے حدیث کی تعلیم و تدریس، تنقید و تجریح اور حفظ پر اپنی عمر کھپا دی جس کی وجہ سے آپ کا شمار اصحابِ حدیث میں ہونے لگا۔ اس کے ساتھ آپ کو دیگر علوم میں بھی پوری پوری دسترس حاصل تھی۔ ۲۸۴ھ

عبدان فرماتے ہیں :

سمعت ابن المبارک یقول : میں نے عبداللہ بن مبارک کو فرماتے

۲۸۲ھ ذہبی : میزان الاعتدال : ۲ : ۲۲۴ ۲۸۳ھ تدریب الراوی : ۵۲۰

لیکن الذی تقصدون علیہ ھذا الاثر، وخذوا من الرای ما تفسیر لکم الحدیث۔	سُنا کہ کوئی ایسی چیز ضروری ہے جس پر تم لوگ اعتماد کرو اور وہ اثر ہے۔ اور رائے میں سے وہی کچھ لو جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرے

سندی بن ابی ہارون فرماتے ہیں کہ مشائخ کی صحبت میں جاتے وقت حضرت عبداللہ بن مبارک سے اکثر و بیشتر پوچھ لیتا کہ ہم کہاں سے استفادہ کیا کریں تو فرماتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے (یعنی احادیث اور ان کی شرحوں سے) ۲۸۵ھ

حسن بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک آدمی سے فرمایا:

ان ابتلیت بالقضا فعلیک بالاثر۔ ۲۸۶ھ	اگر تجھے قضا کا عہدہ دیا جائے تو احادیث و آثار کو اپنے لیے لازم کرلے۔

اسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاملات کے حل کے لیے آپ احادیث کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

عبداللہ بن ضریس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا کہ آپ کب تک یوں احادیث لکھتے رہیں گے۔ آپ فرمانے لگے:

لعل الکلمۃ التی انتفع بہا ما کتبتہا بعد ۲۸۷ھ	شاید کلمہ جس سے میں استفادہ کرسکوں وہی ہو جسے بعد میں لکھا ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکتساب علم حدیث کو روزمرّہ کے معاملات میں انتہائی نفع بخش سمجھتے تھے اور حدیث کو راہنمائی کا سرچشمہ مانتے تھے جس سے معاملات کی گتھیاں سلجھانے اور مسائل سے نبٹنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح

۲۸۴ھ ابونعیم اصبہانی: حلیۃ الاولیاء: ۹: ۱۶۵؛ مطبوعہ مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۵۴ھ

۲۸۵ھ " " " صہ ۱۶۵

۲۸۶ھ " " " صہ ۱۶۶

۲۸۷ھ ابن جوزی: صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۴۱: دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ

آپ کا یہ یقین تھا کہ ترکِ حدیث ذلت و رسوائی کا پیش خیمہ بنے گی۔ اسی لیے صحابہ سے مروی احادیث کی کتابوں کے مطالعہ میں گم رہتے اور ہر قسم کے مسائل کے حل کے لیے انہی احادیث سے نتائج مستنبط کرتے رکئی علوم پر آپ نے احادیث کی روشنی میں کتابیں تصنیف کیں جو اپنے دائرہ کے اعتبار سے جامع اور مکمل ہوئیں۔

یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ :

"جب کوئی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مبارک رح کی کتب میں نہ ملتا تو میں مایوس ہو جاتا۔" ۲۸۸ه

اسی طرح معتمر بن سلیمان فرماتے ہیں :

"ما رایت مثل ابن المبارک تصیب عندہ الشئ الذی لایصاب عند احد"	حضرت عبداللہ بن مبارک کی مثل میں نے نہیں دیکھا۔ آپ سے ہمیں وہ کچھ مل جاتا ہے جو اور کسی کے ہاں نہیں ملتا۔" ۲۸۹ه

احادیث کے بارے میں آپ کا جو یقین تھا، وہ منتہائی قسم کا تھا۔ جو کچھ کہا وہ آپ نے ثابت کر کے دکھایا۔ بشیر بن یحییٰ آپ کا قول نقل کرتے ہیں جو آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے فرمایا۔

علیکم بالاثر ولابد للاثر من یعرف تاویل الحدیث ومعناہ ۲۹۰ه	یعنی تمہارے لیے حدیث لازم اور ضروری ہے کہ حدیث انہی سے لی ہو اور انہی سے حدیث کی تاویل اور معانی سیکھے ہوں۔

اس قول سے جہاں ظاہری طور پر امام ابوحنیفہ کی علمِ حدیث میں نمایاں حیثیت واضح ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک احادیث کے ظاہری معانی کو مراد نہیں لیتے تھے بلکہ جدید مسائل کو آثار کے آئینہ میں رکھ کے ان کے حل تلاش کرتے۔ یہ استنباط کہلاتا تھا جس کو حضرت امام ابوحنیفہ رح نے

۲۸۸ه خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۶ : مطبوعہ مطبعۃ السعادہ ۱۳۴۹ھ

۲۸۹ه ابن ابی حاتم الرازی : کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ ق ۲ : ۱۸۰ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

۲۹۰ه کردری : مناقب امام اعظم : ۱ : ۱۰۶ مطبوعہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۲ھ

رواج دیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اِس کو سراہا اور اس کی ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر حضرت امام ابوحنیفہ رح کی جامع پہلو شخصیت سے اِس کے اکتساب پر زور دیا۔ اِس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حدیث کی تاویل یا معانی کی تشریح کوئی با اثر عالم ہی کر سکتا ہے جسے قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ سے پوری پوری واقفیت حاصل ہو اور خود صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ بصیرت ہو۔

روایت ہے کہ آپ کوفہ میں کتاب المناسک پڑھا رہے تھے۔ حدیث کے خاتمہ پر جب آپ نے اِس سے استنباط کرتے ہوئے کچھ فرمانا شروع کیا تو شاگردوں میں سے ایک شاگرد نے اِس قول کو لکھنا شروع کر دیا۔ آپ نے استفسار کیا کہ کس نے میرے قول کو لکھ لیا ہے۔ لکھنے والے نے بتایا کہ میں نے لکھا ہے آپ نے اِس پر اچھی خاصی بحث کی کہ ایک مکمل درس کی صورت بن گئی اور کہا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ کوئی میرے قول کو لکھے۔ [۲۹]

اِس قول سے آپ کی وہ احتیاط واضح ہوتی ہے جو احادیث سے مسائل کے استنباط کرنے والے کی خوبیوں کے پیشِ نظر ضروری ہے۔ اگرچہ آپ ان تمام خوبیوں سے متصف تھے، لیکن پھر بھی آپ نے کسرِ نفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ استنباط کے لیے کمال درجے کا علم اور تقویٰ ضروری ہے۔

اِس قول سے ایک اور بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ حالات کے مطابق ہر مسلمان کو احادیث کی روشنی میں مسائل کے استنباط کی اجازت ہے لیکن وہ رائے صرف اسی حد تک ہے اور اسی وقت تک ہے جب تک کہ کوئی اِس سے زیادہ علم والا موجود نہ ہو۔ جب اس سے بڑھ کر علماء موجود ہوں اور ان تک رسائی ممکن ہو تو ضروری ہے کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے اور اپنی رائے چھوڑ کر ان کے استنباط پر عمل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اِس خاص محفل میں جو اپنی سمجھ کی حد تک استنباط ہو سکتا تھا کیا لیکن اسے لکھنے کی اجازت اس لیے نہ دی کہ کوئی اسے حرفِ آخر سمجھ کر دیگر علماء کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ ترک نہ کر دے۔

اِس دور میں علماء سے مراد وہی لوگ تھے جن کو احادیث میں سند مانا

(باقی صہ ۳۵ پر)

[۲۹] ابنِ جوزی : صفۃ الصفوہ : ۴ : ۱۱۰ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ

لطیف اللہ

"حیاتِ سلیمانی" کا ایک اہم ورق پر ایک نظر

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے "حکمتِ قرآن"، نومبر ۱۹۹۵ء میں ایک مقالہ بعنوان "حیاتِ سلیمانی کا ایک اہم ورق" تحریر فرمایا ہے۔ اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اُن حضرات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کے ساتھ ادارہ الہلال میں بطور معاون کام کیا اور مولانا مرحوم کے رفیقِ کار رہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

(۱) مولوی عبدالواحد ندوی علیہ الرحمۃ (۲) مولانا عبدالعادی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) مولانا عبدالسلام ندوی رح (۴) مولوی رکن الدین رانا ندوی مرحوم
(۵) علامہ سید سلیمان ندوی رح۔

ڈاکٹر ابو سلمان صاحب کے بیان کے مطابق علامہ سید سلیمان ندوی رح الہلال سے چار پانچ ماہ وابستہ رہے۔ بعدازاں اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی رح کے ایما پر پونا کالج میں عربی اور فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ مولانا ابوالکلام رح کو سید صاحبؒ کے اِس فیصلے کا بہت قلق ہوا اور مولانا آزاد مرحوم نے کئی مکتوب سید صاحبؒ کو اِس اصرار کے ساتھ تحریر کیئے کہ وہ پونا سے واپس آکر الہلال کے لیے کام کریں اور بالآخر ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو مولانا آزاد نے ایک رجسٹری شدہ مکتوب سید صاحب رح کو تحریر کیا جس میں واپسی کا بے حد اصرار ہے۔ اپنی جانب سے چند مراعات، اشراف اور مشاہرہ کی پیشکشیں ہیں۔ اس مکتوب کے بعض اقتباسات جی ابو سلمان صاحب نے اپنے مقالے میں نقل کیے ہیں۔ احقر راقم نے زبان و ادب کے ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے مولانا

آزاد مرحوم کے نزدیک، غبارِ خاطر اور الہلال کے چند مضامین کا مطالعہ کیا ہے لیکن راقم سطور کو اس امر پر حیرت ہوئی کہ سید سلیمان ندوی سے جو مکتوبات تحریر کیے گئے ہیں ان میں مولانا آزاد مرحوم کا ادبی اسلوب اور انائی لب و لہجہ تقریباً مفقود ہے اس کے برعکس ایک عجیب انداز کی لجاجت، معذرت وطلب کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لکھنے والے کا پیکر جس قدر آزاد ہوتا ہے اسی قدر مقید بھی ہوتا ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

بہرحال ڈاکٹر ابو سلمان صاحب نے اس معمولی واقعہ پر جو استنتاج اور استنباط کیا ہے اسی کا مطالعہ یہاں مقصود ہے۔ یہ استنتاج دس نکات پر مشتمل ہے۔ قارئین کرام ان نکات کو خود ڈاکٹر صاحب ہی کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہر نکتہ کے مقابل احقر کے معروضات ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے فرمودات : (۱) مولانا آزاد سے سید صاحب کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں اوائل ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی یہاں وہ آپس میں بے تکلفانہ اور برابر کی حیثیت سے ملتے تھے لیکن جب وہ آٹھ سال کے بعد کلکتہ میں ان کی دعوت پر الہلال کے اسٹاف میں شمولیت کے لیے گئے تو دونوں کی حیثیتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا وہ اپنی خواہش کے مطابق تعیین وقت کے بغیر مولانا سے ملاقات بھی نہ کر سکتے تھے۔

احقر کے معروضات : (۱) ڈاکٹر ابو سلمان صاحب تو مولانا آزاد مرحوم کے یکہ تاز ادا شناس ہیں یہ بات لکھ کر انہوں نے آزاد مرحوم کی شخصیت کو پامال کرنے اور ان کے کردار کی یک رنگی کو مجروح کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ رتبت کی دوستی اور بے تکلف تعلقات برطرف، افسری ماتحتی قائم، ڈاکٹر صاحب کے اس استنباط نے تو یہ ثابت کر دیا کہ مولانا آزاد مرحوم میں کسی درجے کی بھی مروت اور وضع داری نہ تھی، پھر لجاجت سے لبریز ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کا مکتوب کیا معنی رکھتا ہے یقیناً مولانا آزاد مرحوم اس بے بنیاد قیاس کو سنتے یا پڑھتے تو ضرور آزردہ ہوتے ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

ڈاکٹر صاحب... (۱) سید صاحب مدیر الہلال کے بلند مقام کا سپنا لے کر کلکتہ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ الہلال میں سیاہ و سفید کے مالک اور اشاعت کے حاکم ہوں گے لیکن وہاں ان کے منصب میں ان سے سینیئر ارکان شریک تھے۔

احقر... (۱) اس تجربہ کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ اس کے برعکس ۹ جنوری ۱۹۱۲ء کے مکتوب آزاد سے اس قیاس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس مکتوب میں تو مولانا آزاد نے مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

"میں حریت ہی چاہتا ہوں اسے ایڈٹ کیجئے مجھے اس کے اصول و پالیسی سے کہ جس میں آپ مجھ سے متفق ہیں) اور کسی بات سے تعلق نہیں" جن حضرات کو ڈاکٹر صاحب نے سینیئر خیال فرمایا ہے وہ بھی الہلال میں ایک سال سے زیادہ نہ تھے۔ اس حقیقت اور وجوہ پر روشنی ڈالنے کی ضرورت تھی۔

ڈاکٹر صاحب... (۲) ان کے تصور میں مدیر کا کام یہ تھا کہ وقت کے حالات مسائل اور علمی موضوعات پر شذرات و مقالات لکھ کر دے اور کام ختم ہوا لیکن وہاں انہیں بہ اکراہ پروف ریڈنگ بھی کرنی پڑتی تھی حالانکہ یہ صرف دفتی بات تھی

احقر... (۳) یہ قیاس بھی خارجی اور داخلی شواہد سے معرا ہے۔ اگر کوئی معاہدہ ہوا تھا تو اس کا ذکر بھی لازم تھا۔ مذکورہ مکتوب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروف ریڈنگ کا کام سید صاحب علیہ الرحمہ کے فرائض سے زائد تھا۔

"پروف کریکشن کے لیے انور علی آ گئے ہیں اور اب اس کے لیے کوئی زحمت نہ"

ڈاکٹر صاحب... (۴) سید صاحب اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت اس وقت تک ایک خاص حلقے کی توجہ کا مرکز ضرور بن گئے تھے اور علمی مقالات لکھنے کے لیے انہیں کسی رہنمائی کی ضرورت نہ تھی لیکن ان کی اخباری زندگی کا یہ آغاز اور پہلا تجربہ تھا اور خاص اخباری نقطۂ نظر سے ان کی تحریریں اصلاح و ترمیم کے بغیر نہ چھپ سکتی تھیں، سید صاحب کو اس بات کا احساس نہ تھا۔

احقر۔۔۔(۴) ڈاکٹر صاحب سے اس سلسلے میں تسامح ہوا ہے۔ سید صاحب کے لیے اس نوعیت کا کام نیا نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحبؒ مئی ۱۹۱۲ء میں الہلال سے منسلک ہونے سے بہت پہلے بحیثیت نائب مدیر ماہنامہ "الندوہ" سے وقفہ وقفہ سے ۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۲ء وابستہ رہ چکے تھے۔ اور صحافت سے اچھی طرح آشنا تھے۔

(تذکرہ سلیمان صہ۴۸ طبع دوم ۱۹۸۴ء کراچی از مولانا غلام محمد صاحب مدظلہٗ)

ڈاکٹر صاحب۔۔۔(۵) بعض اوقات انہیں الہلال کے لیے کتابوں سے نقل و اقتباس مواد کی فراہمی اور ترجمہ کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس بات کو بھی وہ اپنے بلند مقام سے فروتر سمجھتے تھے۔

احقر۔۔۔(۵) اس قیاس کی گنجائش خاص طور پر اس لیے بھی پیدا نہیں ہوتی بلکہ سید سلیمان ندوی رحؒ کی تصانیف میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے سید رحؒ صاحب کے مقام سے فروتر فرض کرلیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ علم کی دنیا میں وہی اعتبار پاتے ہیں جو ہر نوع کے علمی کام کو خوش دلی سے سرانجام دیتے ہیں۔ سید صاحبؒ تو اس دنیا میں اپنا سکہ چلا چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب۔۔۔(۶) عام اخبارات کی روایت کے مطابق مختلف اخبارات کے ترجمے، شذرات نویسی، افتتاحیہ نویسی اور ترتیب و تالیف کے دیگر کاموں میں اسٹاف کے ارکان کا نام نہ آتا تھا۔ سید صاحب کو یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ الہلال کے ادارے میں گم ہو کر رہ جائیں۔

احقر۔۔۔(۶) اس قیاس کو ڈاکٹر صاحب نے کسی حوالے سے موثق نہیں کیا ہے۔ بہرحال احقر نے اس سلسلے میں کچھ عرض کیا ہے وہ نمبر۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر صاحب۔۔۔(۷) سید صاحبؒ کا ایک مقالہ افتتاحیہ "مشہد اکبر" کے عنوان سے شائع ہوا اس وقت کے حالات میں وہ پسند کیا گیا، اس کی خوب شہرت ہوئی، لیکن یہ شہرت صرف الہلال کے ایک مقالے کی تھی۔ چونکہ مقالے پر سید صاحب کا نام نہ چھپا تھا اس لیے اس شہرت میں سید صاحبؒ کا نام نہ تھا

سید صاحب اِس احساس سے قلب کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

احقر... (۶) یہ بیان مبارک بھی بغیر کسی حوالے کے تحریر فرمایا گیا ہے۔ تصدیق کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ ویسے یہاں اور نکتہ نمبر۶ میں جو مفروضہ قائم کیا گیا ہے اس کا تعلق نام و نمود اور شہرت طلبی سے اتنا نہیں ہے جتنا دیانت علم سے ہے اگرچہ روایت صحافت کی دنیا میں آج بھی موجود ہے لیکن دیانت علم تو بڑی بات ہے اخلاقی اعتبار سے بھی جس طرح کل غلط تھی آج بھی غلط ہے۔ مسلمانوں میں دیانت علم کی جو روایت رہی ہے ڈاکٹر ابو سلمان صاحب اس سے بخوبی واقف ہیں کہ جس شخص نے کچھ لکھا ہے یا کہا ہے، اسے مؤلفین نے چھپایا نہیں بلکہ من و عن متعلقہ شخص کے نام سے ظاہر کر دیا ہے۔ ہر مسلمان پر یہی واجب ہے اور یہی اسے کرنا چاہیئے کہ یہی مسلمانوں کی علمی روایت ہے۔ اگر ظاہر ہونے والی بات کو پردۂ اخفا میں رکھا گیا تو اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہیں۔ رہی شہرت کی بات تو اس سلسلے میں علامہ رح الہلال کے محتاج نہ تھے اللہ تعالےٰ نے اس خصوص میں انہیں بے حد و حساب نوازا ہے۔

؎ بالائی سرش ز ہوش مندی   می تافت ستارۂ بلند

ڈاکٹر صاحب... (۸) ٹھیک اسی زمانے میں بعض انگریزی الفاظ کے عام اور اصطلاحی ترجمے کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادی اور مولانا آزاد میں نزاع کی صورت پیدا ہوگئی۔ سید صاحب اِس بحث میں مولانا دریابادی کے ہم خیال تھے اور پسند نہ کرتے تھے کہ بحث ایک خاص انداز اختیار کرے لیکن اخبار کی پالیسی اور کسی مضمون یا مراسلے کی اشاعت یا عدمِ اشاعت کے فیصلے کا انہیں اختیار نہ تھا۔ وہ اِس سلسلے میں اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے

احقر... (۸) اگر یہاں چند انگریزی الفاظ اور اس کے عام اور اصطلاحی ترجمے کی مثالیں پیش کر دی جاتیں تو ایک طرف بے دست و پائی اور دوسری جانب ضد اور اختیار کی حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی۔ ہم میں سے بہت سے علم اور تحقیق کی سطح پر ایک دوسرے کے ہم خیال ہوتے ہیں۔ لیکن کسی کو بھی اپنی بے دست و پائی کا احساس یا اختیار کا غرہ پیدا نہیں ہوتا۔ علم کی دنیا میں

نہ اس کی ضرورت ہے نہ گنجائش ۔

موسوی بدین خود و عیسوی بدین خود

ڈاکٹر صاحب ... (۹) الہلال میں سید صاحب کو جو کام سر انجام دینا پڑتے تھے اس کے بعد علم و تحقیق کے کاموں کے لیے وقت نہ بچتا تھا ۔ چنانچہ سید صاحب نے جو تین چار یا پانچ مہینے الہلال میں گذارے وہ بہت کم علمی کام کر سکے ۔ اور ایک دو ہی مضمون ان کے نام سے نکلے ۔

احقر ... (۹) اس قیاس میں جزوی صداقت ہو سکتی ہے لیکن قیاس بہرحال قیاس ہے الہلال سے جانے کی اصل حقیقت اور حقیقی اسباب تو سید صاحبؒ کے اس مکتوب میں درج ہیں جو انہوں نے مولانا آزاد کے بار بار کے اصرار کے بعد پونا سے جنوری ۱۹۱۴ء کی کسی تاریخ میں مولانا آزاد کو تحریر کیا ۔ سید صاحبؒ کا یہ مکتوب شاید دستیاب نہیں ہے ۔ اگر دستیاب ہوتا تو ڈاکٹر ابو سلمان صاحب اس کے اقتباسات درج فرماتے البتہ مولانا آزاد مرحوم نے سید صاحبؒ کے اس مکتوب کا جو جواب دیا ہے وہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے ۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی مرحوم نے مکتوبات سلیمانی جلد اول میں اسے شائع کر دیا ہے اور صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے ایک مختصر اقتباس پیش خدمت ہے ۔

" برادر جلیل و اعز ! سب سے پہلے تو میں آپ کا سچا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سچائی اور راستبازی کے ساتھ حسب وعدہ اپنے تمام خیالات ظاہر کر دیئے اور اس کے لیے ممنون و احسان مند ہوں ، اس احسان عظیم کے لیے کہ آپ نے اس اظہار خیال سے مجھے بہت فائدہ پہنچا ۔ آپ یقین فرمائیں کہ آپ کے مکتوب کو میں نے تین بار پڑھا اور اس کے اثر سے بہت دیر تک روتا رہا ۔ نہ اس لیے کہ آپ نے جو کچھ لکھا وہ سب کچھ سچ تھا بلکہ اس لیے کہ اس میں سچ بھی تھا جس کے لیے میرے دل نے گواہی دی اور جو حالت ہمیشہ رہتی ہے اس کے لیے ایک تحریک قوی و مزید ہو گئی ۔ "

زیر نظر مسئلہ کے بارے میں مولانا آزاد مرحوم کی اس تحریر کے بعد

تمام قیاسات و مفروضات خواہ وہ کسی گوشے سے ہوں بعید از حقیقت ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (اے ایمان والو! بہت تہمتیں کرنے سے بچتے رہو۔ مقرر بعض تہمت گناہ ہے۔" (سورہ الحجرات آیہ ۱۲)

ڈاکٹر صاحب... (۱۰) انہی دنوں علامہ شبلی مرحوم کی کوششوں سے انہیں پونا کالج میں عربی فارسی کی اسسٹنٹ پروفیسری پیش کی گئی، ان شکایات کی موجودگی میں کالج کی ملازمت کی پیش کش نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا اور الہلال کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ان تمام شکایات میں بنیادی وجہ یہ احساس تھا کہ ادارت اور مولانا آزاد کی معاونت کا منصب ان کے مقام جلیل و رفیع سے فروتر تھا اور وہ اسے زیادہ دنوں تک گوارا نہ کر سکتے تھے۔ مرحوم کے اس مزاج نے انہیں زندگی بھر پریشان کیا اور کسی جگہ بھی وہ ٹک کر اور دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔ الہلال میں خدمات، پونا کالج کی ملازمت، دارالمصنفین میں کاروان علوم و معارف اور قافلۂ تصنیف و تحقیق کی رہنمائی، بھوپال میں قاضی القضاۃ کا منصب اور سرکاری دارالعلوم کی سربراہی اور آخر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی جگہ منصب شیخ الاسلامی کے لیے پاکستان کا سفر اور دستور سازی میں مشورہ و رہنمائی سے ان کا عدم اطمینان اور بے چینی کے پس منظر میں سید صاحب کے اسی مزاج کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انہیں یہ احساس زندگی بھر رہا کہ ان کے علم و فضل کے مطابق زمانے نے ان کی قدر نہیں کی اور انہیں ہر دور میں ان کے مقام سے فروتر کاموں کے لیے دوسرے ہاتھوں کے سپرد کیا جاتا رہا۔ پاکستان میں تو گویا جان بوجھ کر ان کی ناقدری کی گئی۔ ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ وہ پاکستان میں دستور سازی اور اسلامی فکری راہنمائی میں محض ایک مشیر کا کردار ادا کریں اور ان کے مشوروں کے ترک و اختیار کا فیصلہ نواب زادہ صاحب کریں۔ یہ اس عہد کا بہت بڑا المیہ تھا جو سلطنتِ علوم و معارف اسلامیہ کے سلیمانِ اعظم کے ساتھ پیش آیا۔

احقر... (۱۰) اِس آخری نکتے میں جو باتیں کہی گئی ہیں حسبِ سابق وہ کسی بھی حوالے اور ثبوت سے معرا ہیں علاوہ ازیں ان میں علم کی متانت بھی خاصی کم ہے۔ سیّد صاحبؒ کا کوئی ایسا قول یا تحریر نقل نہیں کیے گئے جن میں حضرتؒ کی فطری بے اطمینانی یا اپنے مقام کی بلندی اور اپنے مشاغل کی پستی یا ز ملنے کی قدر شناسی کی کوئی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی دیتی ہو۔ اِس کے برخلاف مولانا آزاد مرحوم کی تحریروں میں یہ احساس پوری شدت سے نمایاں ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں :

" افسوس کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کرسکا بعض اوقات سوچتا ہوں تو طبیعت پر حسرت و اَلم کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے مذہب، علوم و فنون، ادب، انشاء، شاعری کوئی وادی ایسی نہیں ہے جس کی بے شمار نئی راہیں مبدأ فیاض نے مجھ نامراد کے دل و دماغ پر نہ کھول دی ہوں اور ہر آن و ہر لحظہ بخششوں سے دامنِ دلی مالامال نہ ہوا ہو، بہ حدے کہ ہر روز اپنے آپ کو عالمِ معنی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہر منزل کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں لیکن افسوس کہ جس ہاتھ نے فکر و نظر کی ان دولتوں سے گراں بار کیا، اس نے شاید سر و سامان کار کے لحاظ سے تہی دست رکھنا چاہا۔ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اِس عہد اور محل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"[۵۸]

(مردِ حق از غلام رسول مہر۔ لیل و نہار لاہور مارچ ۱۹۵۹ء)

ع یہ الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اہلِ نظر انصاف فرمائیں کہ ناقدری زمانہ کی صدا کن لبوں سے بلند ہو رہی ہے۔ اِس مقام پر مولانا عبد الباری ندوی علیہ الرحمہ۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے تحریری اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جو سیّد صاحبؒ کے مزاج کے بارے میں ڈاکٹر ابو سلمان صاحب کے قیاس کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

مولانا عبد الباری رح فرماتے ہیں :

"سید صاحبؒ بطنی سید نہیں ماشاء اللہ بطنی سعید تھے۔ مرحوم معصوم نہ تھے لیکن ان کی زندگی کا جو رُخ طالب علمی سے لے کر آخر تک کم و بیش ہر نوع کے سابقہ میں سب سے زیادہ معصوم نظر آیا وہ یہی کہ خود رائی و خود پسندی دُور دُور تک نظر نہیں آئی۔"

(تذکرہ سلیمان ص۷۶)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کہتے ہیں :

"مولانا شبلی کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ ان کو مولانا سید سلیمان ندوی رح کی شکل میں ایک ایسا شاگرد مل گیا جو وسعتِ مطالعہ، ذوقِ تحقیق، دقیقہ رسی اور علم و فن میں استناد کا صحیح جانشین تھا اور ساتھ ہی اپنے اندر بہت سی خوبیاں اور کمالات رکھتا تھا جو اسی کا اپنا حصہ تھیں تشرع، تدین بلکہ تقشف اس کے قبائے علمی کا تکمۂ زرّیں تھا جس کے باعث کسی مسئلہ میں اختلاف کے باوجود علماء کو بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے مزاج میں استقلال طبیعت میں صلح پسندی، مزاج میں مسکنت تھی۔" (تذکرہ سلیمان ص۷۷)

پروفیسر رشید احمد صدیقی تحریر فرماتے ہیں :

"سید صاحبؒ کو کوئی مشتعل نہیں کر سکتا تھا وہ کسی حال میں بھی برہم یا بے اختیار نہیں ہوتے تھے۔ شکل صورت، وضع قطع چال ڈھال ہر اعتبار سے سید صاحبؒ کی شخصیت بڑی دل آویز اور قابلِ احترام تھی۔ ان کو دیکھ کر اور پا کر ایک طرح کی تقویت محسوس ہوتی تھی کہ وہ شفقت کریں گے رسوا نہ کریں گے اور جب تک ساتھ رہیں گے زندگی میں بڑائی اور حلاوت محسوس ہوگی۔"

(تذکرہ سلیمان ص۷۸)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"سید صاحب مرحوم کی بڑائی اور بزرگی کا جو معیار میں نے دیکھا

وہ یہ تھا کہ ان میں مجرمانہ عزت نفس بالکل نہ تھا (جو بدقسمتی سے ہندوؤں میں پایا جاتا ہے) کوئی ان پر "اعتراض" بھی کرتا تو بالکل بُرا نہ مانتے۔ ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور میٹھے انداز سے جواب دیتے۔"

(اورنگ سلیمان ص۱۵ شائع کردہ مجلس علوم اسلامیہ کراچی ۱۹۸۵ء)

مذکورہ بالا شواہد کے بعد قیاسی مفروضات کی جو حیثیت رہ جاتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن قارئین کی اطلاع و معلومات کے لیے بعض وضاحتیں پیش خدمت ہیں۔

حضرت اقدس سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی ۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۱ء ماہنامہ الندوہ لکھنؤ کے وقفہ وقفہ سے نائب مدیر رہے۔ مئی ۱۹۱۳ء سے اکتوبر ۱۹۱۳ء تک الہلال کلکتہ سے وابستہ رہے ۱۹۱۳ء کے آخر میں اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی مرحوم کی خواہش پر پونا کالج میں عربی و فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوئے۔ تقریباً ایک سال کے بعد نومبر ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی مرحوم نے سید صاحبؒ کو پونا سے تار دے کر بلوایا اور سیرت النبی کا کام ان کے سپرد فرما کر ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرما گئے۔ استاد کے حکم کی تعمیل میں دارالمصنفین کی مسند پر بیٹھے اور کامل ۳۰-۳۲ سال تک زیب دہ مسند رہے اور اس ادارے کو زندہ اور متحرک رکھا۔ اگر سید صاحبؒ جاہی و مالی ایثار اور استقامت سے کام نہ لیتے تو دارالمصنفین کا وجود اور اس کی عالمگیر شہرت کیسے قائم ہوتی — (معلوم نہیں ایک جگہ ٹکنا اور دلجمعی سے کام کرنا کسے کہتے ہیں۔ ۳۰-۳۲ سال کی مدت معمولی نہیں ہے) اس کے ۱۹۴۶ء میں سید صاحب منصب قضا پر بھوپال تشریف لے گئے اور ۱۹۴۹ء تک وہاں رہے۔ جب ریاست ہی نہ رہی اور دارالقضا کی حیثیت ختم ہو گئی تو ترک کے سوا کیا چارہ تھا۔ اسے علامہ سید سلیمان ندوی رح کی تلون مزاجی پر محمول کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ تو "غبار خاطر" قسم کی کوئی چیز ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی جگہ "شیخ الاسلامی" کی تمنا کا الزام بھی قریبی دور کی تاریخ سے عدم واقفیت کے باعث ہے۔ مولانا عثمانی رح نے تو بکمال

یے نفسی حکومت پر زور دیا تھا کہ دستور سازی کے لیے پاک و ہند میں سوائے علامہ سلیمان کے کوئی نہیں اس لیے بورڈ تعلیمات اسلامی جس کی تشکیل مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی ہدایت پر ہو چکی تھی اس کا صدر خود مولانا عثمانی مرحوم نے علامہ سلیمان ندوی رح کو تجویز کیا تھا۔ حکومتِ پاکستان کا اصرار البتہ اس وقت بڑھا جب خود مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی رحلت ہوگئی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں "شیخ الاسلام" کا کوئی منصب نہیں تھا۔ آج بھی نہیں ہے۔ اہلِ پاکستان نے مولانا شبیر احمد عثمانی رح کو ان کی مخلصانہ خدمات تقدس اور دینی مقام کے پیشِ نظر از راہِ عقیدت شیخ الاسلام کا لقب دیا تھا جیسا کہ قائد اعظم کے دستِ راست لیاقت علی خاں کو قائدِ ملت کا خطاب دیا گیا تھا۔ بنا بریں شیخ الاسلامی کی تمنا کا مفروضہ سوءِ ظن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر سوءِ ظن نہیں تو ثبوت محکم چاہیے مگر وہ ہے کہاں؟

آخر میں راقم عاجز یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ پاک و ہند کے اربابِ علم اور اہلِ فضل و کمال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حقائق و معارف اور علم تحقیق میں علامہ سید سلیمان ندوی رح کا پایہ اپنے عصر کے علماء میں بہت بلند ہے اور ان کی تصانیف برصغیر سے باہر عرب دنیا اور مغرب میں بنگاہ تحسین دیکھی جاتی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سراعلیٰ سے ایک کامیاب زندگی گزاری ہے۔ شکوریت اور دعباریت ان کی ذات کے جوہر ہیں۔ الندوہ، الہلال، پونا میں عربی فارسی کی تدریس، دار المصنفین کی مسندِ علم، مرشد تھانوی سے بیعت اور عطائے خلافت، ریاست بھوپال کی مسند قضا اور پاکستان میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو اکٹھا کرکے ایک متفقہ دستوری خاکہ کی تیاری یہ سب سید صاحب علیہ الرحمہ کی حیاتِ ناسوتی کے تکمیلی مراحل ہیں اور ایک منتسب سلسلہ کی حیثیت سے اس احقر بے مایہ کو یقین ہے کہ سید صاحب قدس سرہ اس عالم میں جسے برزخ کہتے ہیں اُن آگے بڑھائے جا رہے ہیں یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بلندیٔ درجات کا سفر جاری ہے

ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابی
سرِ منزلی نہ دارم کہ بمیرم از قراری

فتنوں کی نئی فصل

(از مولانا محمد یوسف بنوری)

حق تعالیٰ جل ذکرہٗ نے امت محمدیہ کے لیے جس ہادی و رسول کا انتخاب فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رحمۃ للعالمین بنایا۔ اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت۔ خواہ وہ دعوت محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اس رحمت عامہ کی بدولت عام عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگئی۔ پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے جن سے پوری پوری امتیں تباہ و برباد کر دی گئیں۔ بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ بعض کو طوفان کی نذر کر دیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان سے محفوظ رکھا۔

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ	تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ	پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی
تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ	ہوا اور بارش یا تمہارے پاؤں کے نیچے
شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ	سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا
بَعْضٍ (الانعام ع ۸)	بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے
	ایک کو لڑائی ایک کی (ترجمہ شیخ الہند)

جس میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ آسمانی عذاب، زمین کا عذاب اور باہمی اختلاف کا عذاب۔ تو رسول اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی۔ پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی۔ جب تیسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کا آپس کا اختلاف و نزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل و قتال کی صورت

میں ظاہر ہوا۔ کبھی باہمی نزاع وجدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق وافتراق کے راستے سے آیا اور کبھی بدظنی و بدگمانی، طعن وتشنیع اور لعنت وملامت کی صورت میں ابھرا۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ حرّہ، واقعہ دیر الجماجم، واقعۂ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اسی دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ بہرحال اس امت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں فتنوں کا دور کم وبیش برابر جاری رہے گا۔ فرق یہ ہے کہ دور اوّل میں عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے امت کا ایمان قوی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال وقتال کے باوجود دور اوّل کے تمام فتنے امت کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم وراسخ رہا۔

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوال ایمان کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ اگرچہ اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا سب سے بڑا فتنہ دجال لعین کا ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ہر قسم کے دجل و فریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا۔ یہ فتنہ اگرچہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا اور قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہوگا۔ تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا۔ مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور امت محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنہ کبریٰ سے براہ راست اسی امت کا تعلق تھا۔ اس لئے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں تاکہ ہر شخص دجالی فتنہ کو پہچان سکے اور امت گمراہی سے بچے۔ الغرض زوال ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور اس کا ظہور بھی امت کے بالکل آخری دور میں ہوگا لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ وہ اعمال و اخلاق، بدعت والحاد اور تشتت وافتراق کے فتنے ہیں۔

ہمارا یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں۔ گوناگوں فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے۔ ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے امت کو واسطہ پڑا ہے وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں۔ عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار ہیں۔ فریضۂ نماز میں

تساہل، فریضۂ صیام سے تغافل، فریضۂ حج و زکوٰۃ میں تکاسل وغیرہ وغیرہ۔ عبادات ہوں یا اخلاق، معاملات ہوں یا معاشرت ہر شعبۂ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں

ملک میں شراب نوشی، عریانی و بے حیائی، فواحش و منکرات، مرد و زن کے مخلوط اجتماعات، مخلوط تعلیم، تھیٹر اور سنیما، ریڈیو اور ٹیلیویژن، زنا اور بدمعاشی، بداخلاقی و بداطواری، لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ، رشوت و خیانت، جھوٹ اور بہتان طرازی، غیبت اور چغلی، حرام خوری کی نت نئی صورتیں حرصِ دنیا کی خاطر اشیاء خوردنی میں ملاوٹ۔

کہاں تک شمار کیا جائے۔ بے شمار برائیاں ہیں جو دورِ حاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہو گئی؟ اگر آج قرونِ اولیٰ کے مسلمان زندہ ہو کر آجائیں اور اس دور کے مدعیٔ اسلام مسلمانوں کے اخلاق و عمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں: نعوذ باللہ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَمَا بَطَنَ

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں۔ اب ذرا خواص امت پر بھی سرسری نگاہ ڈالیے۔ یہ حقیقت ہے کہ علماء کرام اس عالم کا دل و دماغ ہیں اور عوام امت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں۔ علمائے امت کا مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ۔ دل و دماغ جگر اور گردوں کا ہے۔ اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کر رہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات و صدمات کے مقابلہ میں پوری قوتِ مدافعت رکھتا ہے۔ عام اعضائے انسانی کا نقص اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر و بیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح عوام امت میں خرابی زیادہ تر علماء امت کی خرابی و فساد سے ظہور میں آتی ہے۔ جب علماء امت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے در آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان و تقویٰ اور اخلاق و عمل صالح سے آراستہ ہوں اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہوں اور صراطِ مستقیم کی طرف امت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقص، اعتقادی، اخلاقی یا عملی، امت میں واقع ہو تو اس کے لئے بے چین ہو جائیں اور اس کی اصلاح کے لئے صحیح تدابیر کریں اگر خود ان ہی میں نقص آجائے تو امت کے عوام کا خراب ہونا لازمی۔ اسی طرح اگر وہ اپنے مقام و منصب کو چھوڑ بیٹھیں، دعوت و تبلیغ

اور اصلاح و تزکیہ کی خدمت سے دست کش ہو جائیں اور اصلاح امت کی فکر کو بالائے طاق رکھدیں تو اس کے نتیجہ میں پوری امت فساد اور بدعملی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔

بہرکیف امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحین امت اپنے فریضہ منصبی سے غافل ہو جائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء امت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں امت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع باقی نہیں رہتی کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اسی کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے۔

اِذَا رَاَیْتَ هَوًی مُّتَّبَعًا وَّ شُحًّا	جب تم دیکھو کہ نفسانی خواہشات کی اتباع
مُّطَاعًا وَّ دُنْیَا مُّؤْثَرَةً وَّاِعْجَابَ	ہو رہی ہے، طبیعت کی حرص قابل اطاعت بن
كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِهٖ	گئی ہے۔ ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال
(سنن ابی داؤد)	رکھا جاتا ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے
	اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ دنیا کی اصلاح کی فکر ختم کر دینی چاہیئے۔ یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آکر اس خدمت کو انجام دیا جائے۔ بہرحال جب حالات اتنے مایوس کن ہوں تو قدم کو جادہ دعوت و اصلاح سے نہیں ہٹنا چاہیئے

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعت میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

۱- **مصلحت اندیشی کا فتنہ** یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے۔ کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں۔ اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

۲- **بے دلعزیزی کا فتنہ** جو بہت کم جاتی ہے ... یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو سب خوش رہیں اس فتنہ کی سرحد خبط جاہ ہے۔

۳ اپنی رائے پر جمود و اصرار | اپنی بات کو صحیح و صواب اور قطعی و یقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخورِ اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فی صد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی۔ نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں۔ صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴۔ سوءِ ظن کا فتنہ | ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں۔ ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں۔ اس کا منشا بھی عُجب و کبر ہے۔

۵۔ سوءِ فہم کا فتنہ | کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سُن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے۔ مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو، کیا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اور اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ[1] کے نصوص مرفوع العمل ہوچکے ہیں؟

۶۔ بہتان طرازی کا فتنہ | مخالفین کی تذلیل و تحقیر کرنا بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کردی۔ بلاتحقیق اس پر یقین کرلینا اور مزے لے لے کر محافل و مجالس کی زینت بنانا ہے۔ بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق صحیح سمجھنا کیا نصِ قرآنی اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا[2] الآیۃ کے خلاف نہیں؟

۷۔ جذبۂ انتقام کا فتنہ | کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت و نفرت یا بدگمانی ہے لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا فتنہ[؟] مل جاتا ہے۔ طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بے چارگی و

---

[1] بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

[2] اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو۔

ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آ گئی تو انتقام لینا شروع کیا۔ رحم وکرم اور عفو و درگذر سب ختم!

۸۔ **حُبِّ شہرت کا فتنہ** کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوں۔ درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی و ریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا۔ اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے۔ حق تعالےٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے۔ اخبارات، جیسے جلوس وغیرہ زیادہ تر اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں

۹۔ **خطابت یا تقریر کا فتنہ** یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں۔ عملی کام صفر کے درجہ میں ہو، قوالی کا شوق دامن گیر ہے۔ عمل و کردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

۱۰۔ **دعایة یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ** جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصاً سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق۔ نہ عقل ہے نہ انصاف۔ محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے۔ اخبارات، اشتہارات، ریڈیو، ٹیلیویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

۱۱۔ **مجلس سازی کا فتنہ** چند اشخاص کسی بات پر متفق ہو گئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہو گیا۔ فوراً ایک نئی جماعت تشکیل ہو گئی۔ طویل و عریض اغراض و مقاصد بتائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈہ کے لئے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے۔ بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔

نہایت دلکش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ و کلمات سے قرار دادیں اور تجویزیں چھپتی

لگتی ہیں۔ امّت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آتی ہے۔

۱۲۔ **عصبیت جاہلیّت کا فتنہ** | اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو۔ اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے۔ مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار و رسائل تصویریں، کارٹون، سنیما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں۔ مگر چونکہ "اپنی جماعت" کے حامی ہیں۔ اس لئے جاہلی تعصّب کی بنا پر ان سب کو بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکاریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو، اس کی نماز روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۱۳۔ **حُبِّ مال کا فتنہ** | حدیث میں تو آیا ہے کہ "حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ" دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ حقیقت میں تمام فتنوں کا قدرِ مشترک حُبِّ جاہ یا حُبِّ مال ہے۔ بہت سے حضرات "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً" کو دنیا کی جستجو اور محبّت کے لئے دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول۔ اس سے انکار نہیں نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں۔ نیز مقصد تو یہ ہے کہ حُبِّ دنیا یا حُبِّ مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعتِ محمدیہ اور دینِ اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں۔ اقتصاد و اعتدال کی ضرورت ہے۔ عوام سے شکایت کیا کی جائے۔ آج کل عوام سے یہ فتنہ گزر کر خواص کے قلوب میں بھی آرہا ہے۔ الّا ماشاء اللہ اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً فِیْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ ؏

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ انکا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں انکو صحیح اسلامی طریقے کیمطابق بیحرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مکتوب مرغوب

از افتخار فریدی ۔ مراد آباد بھارت

حضرت امیرِ شریعت مجاہدِ اعظم سیّد عطاء اللّٰہ شاہ بخاریؒ

چند باتیں ــــ اور ــــ یادیں

ہمارے محسن جناب افتخار فریدی مراد آبادی نے حضرت امیرِ شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ سے متعلق "حکمتِ قرآن" میں شائع شدہ مضمون پڑھ کر اپنے ، جنوری ۸۶ء کے گرامی نامہ میں بڑی ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور شاہ جی سے متعلق درجِ ذیل تحریر بھیجی جو بعینہٖ انہی کے الفاظ محبت و شوق میں پیشِ خدمت ہے ــــــــ (ادارہ)

•

دوسری جنگِ عظیم کے دوران سر سکندر حیات خاں وزیرِ اعلیٰ پنجاب نے فوجی بغاوت کی دفعات لگا کر گرفتار کرایا سی آئی ڈی رپورٹر اور ملازم کو حق تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ اس نے اپنی تحریر کردہ رپورٹ کو جعلی بنائی ہوئی ہونے کا بیان انگریز جج کے سامنے دے دیا جس کے سبب جج کو بری کرنا پڑا ۔ ایک سال تقریباً ہتھکڑی اور بیڑیوں میں رہ کر جس وقت شاہ صاحب بری ہو رہے تھے اس وقت سرکاری وکیل جو قادیانی مذہب کا تھا اس نے کہا کہ عطاء اللہ مرزا غلام احمد قادیانی کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان پہ دفعہ ۱۵۳ الف (توہین کرنے والی) لگتی ہے ۔

شاہ صاحب نے اس وقت کا حال بیان فرمایا کہ رہائی سے ایک راحت محسوس کر رہا تھا اور دوبارہ قید ہو جانے سے گرانی محسوس کر رہا تھا ۔ اس وقت یہ بات دل میں آئی کہ کہہ دوں کہ میں مرزا کو برا بھلا نہیں کہتا ۔ اس وقت جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو ایک بڑا مجمع کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے ایک جھرجھری آئی اور میں نے ۔ سوچا اگر اس وقت کہنے سے انکار کرتا ہوں تو یہ قانون بنے گا ۔ میں نے جج سے کہا کہ میں مرزا کو برا بھلا کہتا رہا ہوں اور کہتا رہوں گا ۔ آئندہ بھی مرزا کو برا بھلا کہنا میرا مذہب ہے۔ جس وقت شاہ صاحب نے یہ فرمایا تو فوراً جج نے فیصلہ کر دیا کہ کسی کے مذہب میں ہم دخل نہیں دے سکتے اور شاہ صاحب کو فوراً بری کر دیا گیا

تحریک آزادی کے دور میں ایک تقریر پر شاہ صاحب کا وارنٹ نکلا۔ شاہ صاحب کو پولیس گرفتار نہیں کر سکی۔ دوسرے ضلع میں شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان ہوا۔ اس دن پولیس نے جلسگاہ کو گھیر لیا تاکہ شاہ صاحب کو جلسہ گاہ میں داخل ہونے سے قبل گرفتار کرلیں۔ شاہ صاحب کی تقریر میں مجمع ہزاروں سے اوپر ہوتا تھا۔ شاہ صاحب جلسہ گاہ میں ایک دیہاتی کے لباس میں داخل ہوئے۔ پولیس نہیں پہچان سکی۔ اسٹیج پر پہنچنے سے قبل دیہاتی لباس اتار کر مجمع کے سامنے آگئے۔ اب کون مائی کا لال گرفتار کرسکتا تھا۔ تقریر فرما کر مجمع سے تائید کے لیے ہاتھ اٹھوائے اور پھر فرمایا کہ سب کھڑے ہو کر تائید کرو۔ جب مجمع کھڑا ہوگیا تو اسی میں داخل ہوکر اسی دیہاتی لباس کو پہن کر نکل گئے۔ پولیس کے ہاتھ نہیں آسکے۔ اس طرح پنجاب، یوپی، بہار، بنگال کے صوبوں میں ۲۳ تقریریں فرمائیں۔ ہر جگہ کی تقریر پر وارنٹ نکلتے رہے۔ جب پورا پروگرام کرلیا تو تیئیسویں وارنٹ پر دیناج پور سے گرفتار ہوئے۔ اور بنگال جیل میں رہے۔

مرزا غلام احمد دجال قادیانی کے لیے حق تعالیٰ نے شاہ صاحب کو مسلط فرمایا تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے شاہ صاحب کو امیر شریعت کا منصب عطا فرمایا خود شاہ صاحب سے بیعت فرمائی۔ اور سینکڑوں علماء کرام اور تقریباً ساٹھ ہزار کے مجمع نے شاہ صاحب سے اس وقت بیعت کی اس وقت سے زندگی بھر قادیانی دجال کے خلاف صف آرا رہے۔ تقسیم کے بعد دو گونہ غم و صدمات سے دوچار ہوئے پاکستان میں مسلمانوں کی حکمرانی میں ظفر اللہ قادیانی کا دخل اور ملت ہندیہ کے خواص کا بر اور عوام کی جدائی کا غم!

۱۹۴۹ء میں بندہ جب ملتان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھ کر ایک آہ بھری اور کئی گھنٹے تک درد و تڑپ کے ساتھ اپنے اکابر اور رفقاء میں سے ایک ایک کا نام لے کر یاد کرتے اور روتے رہے۔ ایسا درد و غم کسی میں دیکھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ تقسیم کے بعد قادیانی تلبیسات سے پریشان ہو کر علماء کرام اور مجاہدین احرار نے ختم نبوت کی تحریک ۱۹۵۳ء میں شروع کی شاہ صاحب کو اس وقت یہ اشکال تھا کہ مسلمانوں کی حکومت سے ٹکراؤ ہوگا۔ اس وقت حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی حافظ حدیث مدظلہ ہجرت کا ارادہ کرکے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ جدہ و مدینہ منورہ کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت خواب میں فرمایا کہ تم بھی واپس جاؤ اور ملت پاکستان کی خدمت کرو اور میرے نواسے عطاء اللہ شاہ سے کہدو کہ میری نبوت پر کتوں نے حملہ کیا ہے تم مقابلہ کرو۔ اہل حق کو گولیاں کھانا پڑیں گی۔ جیلوں میں جانا پڑے گا۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت درخواستی صاحب نے جب یہ پیام کراچی میں شاہ صاحب کو پہنچایا۔ اسی روز شاہ صاحب نے وہ تقریر فرمائی جس پر حکومت پاکستان نے شاہ صاحب کو گرفتار کرلیا۔

ملت کی تاریخ کا یہ اقدام ایسا بے مثال ہے کہ تحریک کے شباب میں لاہور کے نونہالوں نے ایک جلوس نکالا جس پر فوج نے گولیاں چلائیں۔ گولیوں کی بارش میں ان بچوں میں سے کوئی بھی بھاگا نہیں جن کو شہادت کا شرف ملنا تھا وہ شہید ہو گئے۔

شاہ صاحب کو قید خانہ کے قادیانی جیل افسران نے وہ غذائیں کھلائیں جنہوں نے شاہ صاحب کو لقوہ اور فالج کے امراض سے دوچار کر دیا۔ جب رہا کیا گیا تو امراض نے پورا غلبہ پا لیا تھا۔ اس حالت میں شاہ صاحب اپنے شیخ حضرت رائے پوری کی خدمت میں لاہور تشریف لائے۔ اس وقت بندہ نے ان کی زیارت کی تھی ان کی اس وقت کی صحت کی کمزوری بے کسی اور بے بسی کا دل پر آج تک بڑا غمناک اثر ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حضور صلی اللہ علیہ کی نبوت اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حفاظت و بقا کے لئے اپنے کو قربان کر دیا۔

پاکستان میں شاہ صاحب نے ان غرباء کی طرح زندگی گذاری جن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دین غرباء سے شروع ہوا ہے اور آخر میں غرباء کی طرف لوٹ جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے کو ان ہی غرباء میں شامل کیا۔ ملت کے لئے جانوں کو قربان کرنے والے جاں نثاروں کی صف میں شامل ہو گئے جو سلسلہ دورِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے اب تک قائم ہے۔

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کچھ ریل میں گذری کچھ جیل میں۔

خدا ہم سب مسلمانوں کو ان جاں نثار مجاہدوں اور شہداء کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ : نعت شریف

ہیں ہوا و حرص کے تابع دماغ — جاگزیں ہیں دل میں دنیا داریاں
یہ ہجوم افتراق و انتشار — دین و ملت کے لیے وجہِ زیاں
رہنمائی تیری سیرت سے ملے — ہوں تیری تعلیم سے دل ضوفشاں
ایک مدت سے ہے پیاسی یہ زمیں — طالبِ ابرِ کرم ہیں کھیتیاں
تیری سنت ہو چراغِ راہ پھر — مرجعِ توحید بن جائے جہاں
اے رسول اللہؐ اے ختم الرسلؐ — تیری مدحت اور فکرِ ناتواں
اے سلیمِ بے نوا رکھ دے قلم — یہ سمندر ہے وسیع و بے کراں

سلیم فاروقی

نعتؐ

ہے طلوعِ مہر کا روشن سماں
ہر طرف فطرت کی ہیں گلکاریاں

ہو گئی تاریکیوں سے دست کش
ظلمتِ شب کا نہیں نام و نشاں

دیکھ کر حسنِ تجلّی دفعتاً
آئینہ کی بڑھ گئیں حیرانیاں

رقص کرتی آئی ہے بادِ بہار
جشن کا ہے صحنِ گلشن میں سماں

شبنمی قطروں سے ہو کر باوضو
غنچہ و شاخ و ثمر تسبیح خواں

ہو گئے عریاں گلوں کے پیرہن
لیتے ہیں سرو و سمن انگڑائیاں

بج رہے ہیں آبشاروں کے رباب
گنگناتی بہہ رہی ہیں ندیاں

چوکڑی بھرتے ہیں آہو دشت میں
بلبلیں ہیں بے خودی میں نغمہ خواں

دیدنی ہے جلوہ روئے سحر
حمدِ باری کر رہی ہیں قمریاں

ہیں خیاباں در خیاباں نکہتیں
رشکِ فردوسِ بریں ہیں وادیاں

ارتقا کے دوش پر ہے زندگی
آتی ہے ہر دم صدائے کن فکاں

حوریانِ خُلد پڑھتی ہیں سلام
شاخِ طوبیٰ کرتی ہے گل پاشیاں

آسمانوں کے دریچے کھل گئے
آ رہی ہیں قدسیوں کی ٹولیاں

مسجدِ اقصیٰ جمالِ دلفروز
اوج پر کعبے کی ہیں .... تابانیاں

مرکزِ تقدیس ہے غارِ حرا
ثور میں ہے نورِ باری کا سماں

صحنِ کعبہ میں فرو کش جبرئیلؑ
ربِّ سلّم دم بہ دم وردِ زباں

شرک سہما، کفر لرزاں دم بخود
رک گئیں باطل کی فتنہ خیزیاں

ڈھونڈتا ہے ظلم بھی راہِ فرار
جبر کو ملتی نہیں جائے اماں

عقل اِن نیرنگیوں کو دیکھ کر
ہے تجسس در تجسس بے گماں

عشق ہے وابستۂ ناز و نیاز
اس کے مسلک میں کہاں ہے این و آں

طائرِ تخئیل اتنا تو بتا؟
یک بہ یک کیسی ہیں یہ تبدیلیاں

کس کی آمد پر یہ جشنِ انقلاب
کس کی آمد سے ہیں لرزاں آندھیاں

اے دلِ مشتاق! پہلے پڑھ سلام
تاکہ گوہر بار ہو دُرجِ دہاں

پھر بتاؤں کیوں ہے یہ جشنِ طرب
از سمک تا عرش صد عظمت نشاں

صاحبِ اسریٰؑ، رسولؐ محترم
رحمتہ للعلمینؐ، فخرِ جہاں

ذات جس کی مصدرِ خُلقِ عظیم
باغِ فطرت کی بہار جاوداں

تاجدارِ انبیاءؑ، ختم الرسلؐ
دینِ فطرت کا محافظ پاسباں

کوثر و تسنیم کی موجیں خجل
سُن کے اس کا دلکش و شیریں بیاں

خوشہ چیں اُس کے فصیحانِ عرب
گُنگ جس کے سامنے سب کی زباں

اُس کے ہر اک لفظ میں سَو حکمتیں
ذہن کی کُھلتی ہیں جس سے کھڑکیاں

معجزہ در معجزہ اُس کا کلام
سنگ ریزوں کو عطا کی ہے زباں

اس کے آئینِ مُبیں کے سامنے
زنگ خوردہ ہیں اساطیرِ جہاں

زندگی کی رفعتیں اُس پر نثار
عزت و عظمت کا گنجِ شائیگاں

دفترِ تنزیل ہو جس پر تمام
ذاتِ حق جس کے لیے رطب اللساں

احترامِ آدمیت کا نقیب
عدل اور انصاف کی روحِ رواں

سایۂ رحمت یتیموں کے لیے
جو سراپا غم گُسارِ بے کساں

عصمتِ کردار کا آئینہ دار
طبقۂ نسواں کے حق کا پاسباں

جو گنہگاروں کا ہمدرد و انیس
دشمنوں سے بھی ہُوا کب سرگراں

وہ جو آیا پھر گیا باطل کا رُخ
راستے سے ہٹ گئے سنگِ گراں

ہیچ اس کے سامنے تاج و سریر
دست بستہ قیصر و کِسریٰ و خُسرواں

ٹھوکروں میں اِس کی شاہوں کا غرور
چٹکیوں میں افتخارِ خانداں

کالے گورے کا مٹا کر امتیاز
ختم کر دیں ذہن و دِل کی پستیاں

آخری خُطبہ میں واضح کر دیا......
ہیچ رشتے اور قرابت داریاں

صرف تقویٰ ہے بنا کردار کی
اور باقی سب حدیثِ دیگراں

دِل میں آتا ہے یہ رہ رہ کر خیال
تیری نسبت سے تھے کل ہم شادماں

دین و دنیا کی سعادت ساتھ تھی
ذکرِ حق سے گونجتی تھیں بستیاں

جب کیا اُسوہ سے تیرے انحراف
بن گئیں اپنا مقدر پستیاں

تیری اُمت بُھول بیٹھی ہے تجھے
اس میں وہ ذوقِ فدائیت کہاں

(باقی صفحہ پر)

تبصرۂ کتب

حجابِ نسواں
از الاستاذ مظہر علی ادیب

ملنے کا پتہ: مکتبہ السفیر۔ قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور   قیمت: ۸ روپے

آج کل ہمارے یہاں بعض خواتین نے بعض شرعی حدود، اسلامی اقدار اور اسی قسم کے مسائل پر ایک افسوسناک روش اختیار کر رکھی ہے۔ اس میں موجودہ حکومت کی غلط روی کو جہاں بہت دخل ہے وہاں نظامِ تعلیم و تربیت کے فقدان کا بڑا حصہ بھی اس کا سبب ہے۔

حکومت کی اہم رکن مسز سلیمہ احمد اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش ہیں اور حکومت نے اپنی ہی نظریاتی کونسل کی سفارش کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ معاشرتی مسائل پر بہت ہی خوبصورت انداز میں لکھنے والے الاستاذ مظہر علی ادیب نے بڑی محبت و خلوص سے یہ کتابچہ لکھا ہے جس میں جہاں پردہ و حجاب پر مختلف حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے۔ وہاں ٹھوس اور سنجیدہ تنقید کے ذریعے ان اعتراضات کا بھی نوٹس لیا ہے جو اس سلسلہ میں وارد کئے جاتے ہیں۔

حلقۂ نسواں میں اس رسالہ کی اشاعت بالخصوص بہت ضروری ہے۔ امید ہے کہ اس طرف توجہ ہوگی۔ —— (ا)

انبیاءِ قرآن
مرتب حافظ نذر احمد

ملنے کا پتہ: تعلیم القرآن خط و کتابت سکول پوسٹ بکس ۱۲۷، لاہور ۵

حضور اقدس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل لاتعداد انبیاء و رسل علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے۔ جن میں سے ہر ایک پر ایمان لانا ایمان و اسلام کے لئے ضروری ہے۔ اور کسی ایک نبی و رسول کا انکار بھی کفر ہے۔ یہ ایمان اجمالی ہوگا یعنی یہ کہ "ہم سب پر ایمان لاتے ہیں" تاہم قرآن عزیز نے کچھ حضرات کا ذکر کیا اور ان کے حالات سے ہمیں آگاہی بخشی۔ ان میں سے بعض کے حالات تفصیل سے ذکر ہوئے تو بعض کے مختصراً۔ ایسے حضرات جن کے حالات کا قرآن میں ذکر ہوا ہے وہ حضور اقدس سمیت ۲۶ ہیں۔ ان کے حالات پر اردو لٹریچر میں سب سے مفصل اور نہایت ہی محققانہ کتاب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی فاضل

دارالعلوم دیوبند و ناظم جمعیۃ علماء ہند کی ہے جو چار جلدوں میں مطبوعہ شکل میں موجود ہے — یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور حافظ نذر احمد صاحب جیسے متحرک اور مسلسل کام کے عادی بزرگ نے اسے اختصار و جامعیت کے ساتھ مرتب کیا ہے تاکہ مصروف حضرات آسانی سے واقف ہوسکیں۔ ملک کے فاضل علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی جماعت نے اس مسودہ کو دیکھ کر اپنی گراں قدر آراء سے نوازا جس کے بعد کتاب کا معنوی حسن بڑھ گیا۔ ساتھ ہی موصوف نے تاریخی طور پر ان انبیاء کے عہد کو متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بعض قیمتی شجرے اور نقشہ جات شامل کئے ہیں تاکہ ایک قاری ان حضرات کے باہمی نسبی تعلق اور ان کے دعوتی مراکز سے واقف ہوسکے۔ خط و کتابت کے ذریعہ موصوف کے عظیم علمی و تعلیمی کام سے ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے اور یہ کتاب دراصل اسی حصہ کا پانچواں کورس ہے جس پر ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اپنے قارئین سمیت ہر باشعور شہری سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ کے ان منتخب بندوں نے اس کے دین کے لئے کس طرح تگ و دو کی اور اپنی زندگیاں اس راہ میں لگائیں۔

تذکرہ ائمہ اربعہ — تالیف : **مولانا اسلام الحق اسعدی**

ملنے کا پتہ : مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی ۲ — قیمت ۲۷ روپے

حضرت الامام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل قدس سرہم دینی و علمی دنیا کے وہ گل سرسبد ہیں جن کی مہک سدا بہار اور جن کے امت پر احسانات بے حد و حساب ہیں۔ ان مخصوص بندگان رب نے اپنی زندگیوں کا آرام تج کر فقہ و قانون کے دائرہ میں جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کا اعتراف ہر شریف النفس مسلمان نے کیا۔ حتیٰ کہ بیگانوں نے ان کے حضور خراج عقیدت پیش کیا۔ قرآن و سنت کے چشمہ ہائے صافی کے قانونی حصص کی تعبیر و ترجمانی اور ان کی روشنی میں فقہ و اسلامی کی تدوین میں انہوں نے زندگیاں کھپا کر آنے والوں کے لئے آسانیاں پیدا کردیں۔ ان حضرات کے تعارف و تذکرہ پر مختلف زبانوں میں کافی مقدار میں لٹریچر موجود ہے۔ خود اردو میں اس موضوع پر کافی سرمایہ ہے۔ لیکن اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ ایک ذمہ دار اور سلجھے ہوئے اہل قلم نے چاروں حضرات کا تذکرہ اس طرح مرتب کردیا ہے کہ ایک قاری ایک ہی نظر میں ان عظیم المرتبت شخصیات سے واقف ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس خطہ کی عظیم سنی اکثریت کے محسن و فقیہ حضرت الامام ابوحنیفہ قدس سرہ کے تین بڑے شاگردوں یعنی امام ابویوسف، امام محمد اور

امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کا تذکرہ بھی ساتھ شامل کر دیا ہے تاکہ حضرت الامام ابوحنیفہ کی اجتماعی فقہی کاوشوں کے ان ستونوں کے علمی مراتب بھی سامنے آسکیں۔

اعتماد علی السلف کی دولت سے آج کا دور محروم ہوتا چلا جا رہا ہے جو نہایت درجہ افسوسناک ہے ایسے میں اس قسم کی سلجھی ہوئی اور سنجیدہ کتب بڑی مفید ہیں۔ اس کی اشاعت پر مکتبہ اسحاقیہ کے مالکان مستحقِ تبریک ہیں اور ہم اس کتاب کے مطالعہ کی برادرانِ دینی کو زبردست سفارش کرتے ہیں۔

تحفۃ الواعظین از امام ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ قیمت: ۲۲ روپے

ملنے کا پتہ: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱

"وعظ گوئی" کی ہمارے معاشرے میں جو اہمیت ہے اس سے ہر شخص واقف و آگاہ ہے۔ دینِ اسلام جو تبلیغ و دعوت کا دین ہے اس کے حوالہ سے یہ ایک باوقار فن ہے جس کو یہ عطا ہو جائے وہ گویا بڑا خوش قسمت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہر فن کی طرح اب یہ فن بھی "نااہلوں کے تصرف" میں ہے۔ علم و عمل اور خلوص و اخلاص سے تہی دامن طبقہ نے اسے کاروبار کے طور پر اپنا رکھا ہے جس کا نتیجہ معاشرہ میں بے راہ روی کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔۔۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ ہماری دینی و علمی تاریخ میں ایک منفرد مقام کے حامل واعظ، خطیب، مذکر (نصیحت کرنے والا) اور مؤرخ ہیں جن کا وسیع علمی لٹریچر ہمارا عظیم سرمایہ ہے ان کی عربی کتاب "کتاب القصاص والمذکرین" کا اردو ترجمہ فاضل مکرم مولانا ظہیر الدین نے کیا جس میں شگفتگی، سلاست، روانی سبھی کچھ موجود ہے اس خوبصورت ترین کتاب کو ہمارے ملک کے پرانے پبلشر نہ مالکان قدیمی کتب خانہ نے بڑی محبت سے چھاپا ہے اور اس کے معنوی حسن کی طرح اس کے ظاہری حسن کا بھی پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ ۱۲ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں واعظ کی مدح، پہلے واعظ، وعظ کا اہل کون؟ وعظ میں حکومت کی اجازت، وعظ کے اوقات، واعظ کے لئے احتیاطیں، بے عمل واعظ، تاریخ کے عظیم واعظ، بدعتی واعظین، اسلاف کا وعظ کے معاملہ میں رویہ اور وعظ کے آداب و شرائط جیسی باتیں بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں جو بڑی مفید اور لائقِ توجہ ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کا شایانِ شان استقبال ہوگا۔

انیل کمار سے مجاہد اسلام تک :

آج کی صحبت تبصرہ کی آخری کڑی یہ رسالہ ہے جو ایک ہندو لڑکے کی قبول اسلام کی ایمان افروز داستان پر مشتمل ہے، تبلیغی جماعت آگرہ (یوپی) کے بعض احباب کی تبلیغی مساعی سے یہ لڑکا بے حد صعوبتیں برداشت کرکے اس منزل پر اس طرح پہنچا کہ اب وہ متعلم علوم اسلامیہ ہے۔ اور تعطیلات اس کی تبلیغی مقاصد میں بسر ہوتی ہیں ہمارے عزیز دوست قاری اظہر ندیم سلمہ نے اپنے دورۂ ہندوستان کے دوران اس عزیز سے ملاقات پر یہ تفصیلات فراہم کرکے مرتب کردیں۔ چوتھا ایڈیشن جارہا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسے ہر کوئی پڑھے تاکہ اس کے دل میں بھی ایمان کی آگ بھڑک سکے۔ ۳ روپے میں عام اکیڈمی ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور سے یہ رسالہ ملے گا تبلیغی مقاصد سے اس کی اشاعت بڑی ضروری ہے۔

برکات بردہ   مترجم : **فضل محمد عارف**۔

ملنے کا پتہ : نذیر سنز، ۴۰۔ اے اردو بازار لاہور۔۲   قیمت : ۲۷ روپے

حضور سرور کائنات علیہ السلام کی منقبت میں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم قصیدہ ہمارے علمی لٹریچر کا بہت اہم حصہ ہے، اس قصیدہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح شرف قبولیت سے نوازا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں بندوں نے اس کو پڑھا پڑھ رہے ہیں اور بہت سے نامور علماء و فضلاء نے مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کئے، شروحات لکھیں اس کی برکات پر قلم اٹھایا۔ علامہ فضل احمد عارف قدیم و جدید درسگاہوں کے فاضل ہیں۔ ان کا قلم رواں دواں رہتا ہے اور وہ بحمدہ تعالیٰ نہایت درجہ نافع اور قیمتی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں۔ اس نہایت درجہ بابرکت کتاب میں موصوف نے اس قصیدہ کا عربی متن دے کر سلیس و شگفتہ ترجمہ کیا ہے۔ اسلاف سے منقول برکات جمع کی ہیں اور موقعہ موقعہ تاریخی واقعات کا اندراج کرکے کتاب کی اہمیت کو دوبالا کردیا ہے۔ ابتداء میں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا جامع تذکرہ کردیا ہے تاکہ قارئین ان کی شخصیت سے پوری طرح واقف ہوسکیں۔ آج کی مادیت گزیدہ دنیا کے لئے یہ کتاب بڑی مفید ہے۔ اس کا نہ صرف خود مطالعہ کریں بلکہ احباب میں پھیلائیں۔ مالکان نذیر سنز اس کی اشاعت پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

Dr Israr suggests 'Mazhabi Mahaz'

LAHORE, March 10: Dr Israr Ahmad, Ameer, Tanzim-i-Islami on Monday called upon all the politico-religious, and solely religious organisations of Pakistan to forge a "Muttahida Mazhabi Mahaz" (United Religious Front) to wage a concerted struggle for safeguarding at least the 'agreed religious issues' and the basic tenets of Islam.'

In a Press statement Dr Israr said, "experience so far, has shown that it is not possible for rival political parties to unite on a positive political programme which may result in the victory of Islam-loving forces in elections and then enforce Islam in the country.

This is the only reason why a significant advancement could not be made towards the enforcement of Islam in Pakistan, he added.

Taking advantage of this sorry state of affairs, the modern educated persons, who were by and large deeply influenced by the western ideologies, civilisation and culture, used rather, mis-used the name of Islam and deprived the Muslims of Pakistan even of the personal religious freedom which they had enjoyed under the British regime.

He cited the example of the Indian Muslims, against whose united protest India's powerful Government, had to yield and accept their religious demands, inspite of Indian Supreme Court judgement.

Explaining his proposal, Dr Israr said that the proposed "Mahaz" should limit its activities to certain specified and agreed religious issues and suggested that all decisions be taken with a consensus as far as possible.

He hoped that such a 'Mahaz' could form the basis of a bigger alliance of the religious parties in the future and might be an instrument in removing the misunderstandings which surface occasionally because of lack of communication among the leaders.

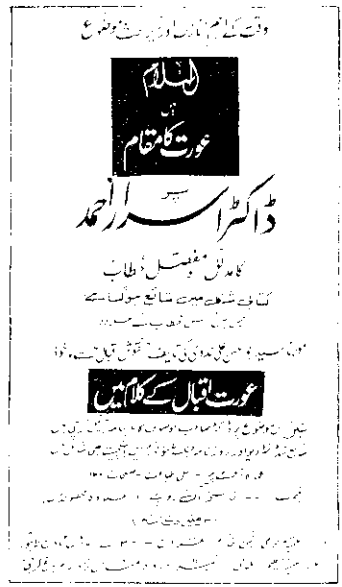

'متحدہ مذہبی محاذ' کی تجویز روزنامہ 'فرنٹیر پوسٹ' پشاور میں

Formation of a united religious front urged

LAHORE, March 10: Dr. Israr Ahmad, Ameer, Tanzim-i-Islami, today called upon all the politico-religious organisations of Pakistan to forge a "Muttahida Mazhabi Mahaz" (United Religious Front) to wage a concerted struggle for safeguarding at least the 'agreed religious issues and the basic tenets of Islam.'

In a press statement the Ameer, Tanzim-i-Islami said: 'Experience so far has shown that it is not possible for rival political parties to unite on a positive political programme which may result in the victory of Islam-loving forces in elections and then enforce Islam in the country. This is the only reason why a significant advancement could not be made towards the enforcement of Islam in Pakistan." Dr. Israr Ahmad added. "Taking advantage of this sorry state of affairs, the modern educated persons, who were by and large deeply influenced by the Western ideologies, civilisation and culture, used, rather mis-used, the name of Islam and deprived the Muslims of Pakistan even of the personal religious freedom which they had enjoyed under the British regime."

Dr. Israr Ahmad said that it would augur well and would be very encouraging if the politico-religious parties make a positive response to the unity call of Mian Tufail Muhammad for the sake of enforcing Islam in the country. "At the moment unity among the various parties, based on religion, for the safeguard of the Muslim personal law and tenets of Islam is a must and the dire need of the time." Dr. Israr Ahmad added, ' if this is ignored, the responsibility of the serious consequences will rest on the leaders of the religious parties."

Citing the example of the Indian Muslims, against whose united protest India's powerful Government, had to yield and accept their religious demands in spite of Indian Supreme Court judgement, Dr. Israr Ahmad emphasised on the formation of a Muttahida Mazhabi Mahaz.

Explaining his proposal, Dr. Israr Ahmad said that the proposed "Mahaz" should limit its activities to certain specified and agreed religious issues and suggested that all decisions be taken with a consensus as far as possible.

He hoped that such a 'Mahaz' could form the basis of a bigger alliance of the religious parties in the future and might be an instrument in removing the misunderstandings which surface occasionally because of lack of communication among the leaders. He assured that he and his supporters would not seek any office and would deem it an honour and a privilege to offer any services asked for, if a 'Muttahida Mazhabi Mahaz' were formed.- PPI

The Frontier Post

بھارتی مسلمان اور راجیو گورنمنٹ

عائلی قوانین اور بابری مسجد کا تنازعہ

TIME, MARCH 10, 1986

INDIA

A Torrent of Troubles

Violence broke out between Muslims and Hindus, meanwhile, after a district judge ordered the Uttar Pradesh government to reopen the Rama Janambhumi temple in the town of Ayodhya, which Hindus believe to be the birthplace of the god Rama. Muslims say the shrine, which was closed in 1949 because of earlier religious clashes, is no longer a temple but an Islamic mosque built by the Mogul Emperor Babar. Hindus celebrated the court decision by lighting candles in windows and doorways, while hundreds of thousands of pilgrims descended on Ayodhya to pay homage to Rama. There were no troubles at the shrine—only "joy and wonder," as the *Telegraph* of Calcutta described it. "The ill-maintained and modest house of God, with peeling paint and battered gateways, presents a strange sight with numerous armed but reverentially barefooted policemen keeping vigil over the sanctum alongside the pandas, who are evidently very pleased with the sudden inflow of pilgrims." But in Old Delhi and other cities in Jammu and Kashmir, Uttar Pradesh and Madhya Pradesh, 13 people died in Muslim-Hindu strife. The worst violence occurred in Kashmir, where 8,000 Muslim agitators charged through villages, burning and looting Hindu temples, shops and homes.

Muslims were also divided among themselves over Gandhi's support for a Parliamentary bill that would nullify a recent court ruling permitting a divorced Muslim woman to claim alimony from her husband. The verdict has been castigated by conservative Muslims as an infringement on Islam's "personal laws," which do not accord women such rights. More liberal Muslims, on the other hand, support the court's decision and are angered that Congress (I) is seeking to thwart it. The dispute last week reached into the Cabinet, with Minister of State for Energy Arif Mohammad Khan resigning to show his disapproval. Gandhi was not dissuaded, arguing that the government had long recognized the right of different religions to have their own laws on personal conduct. India's strength, he said, "lay in encouraging every religion and not in suppressing any."

Given such tensions, the one-day general strike called by opposition parties in midweek posed the danger of even more conflict. But although the protesters shut down shops, schools and universities in 16 states and police arrested 5,000 people for picketing and obstructing traffic, the strike was relatively peaceful. Apparently realizing, too late, that it had handed the opposition a potent issue around which to unite, the government partially rescinded some price hikes on petroleum products.

But both Gandhi and Finance Minister V.P. Singh argued that the increases were necessary to avoid cutting development funds in the new five-year plan. That "hard decision," said Singh, was made "because of our commitment to the future." In its new budget, presented to Parliament late last week, the government asked for tax cuts on lower incomes and higher duties on such luxury items as automobiles, televisions and air conditioners—thereby seeking to rebut charges that the poor were bearing an unfair share of the burden. —*By Marguerite Johnson. Reported by K.K. Sharma/New Delhi*

صنفِ نازک کا مسئلہ!

مسلم فیملی لاز آرڈی ننس

پر علماءِ کرام کا

تبصرہ

اور

عائلی قوانین کے پردے میں!

بھارت میں ایک نئی مسلم کش مہم

مُسلِم بہنوں کی خاص توجّہ کے لئے مسائل کا حل احتیاط و تدبّر سے ہوگا

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

صدر ضیاء الحق کا طویل دورِ حکومت ایسا ہے کہ اس کے حُسن و قبح پر تفصیل سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کا نہ وقت ہے نہ موقع اور نہ ہی حکمت قرآن کے صفحات اس کے متحمل ہیں۔ محض ربطِ کلام کے لئے اتنا عرض کرنا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر آں موصوف برسرِ اقتدار آئے تو ان کا سب سے بڑا مقصد دینِ اسلام کی خدمت تھی جس کا انہوں نے بار بار ذکر کیا، اب بھی کر رہے ہیں۔ اس اثنا میں اسلام کے حوالہ سے جو "خدمت" ہوئی اس کا معاملہ بالکل واضح ہے اور ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ مسائل کو اس حد تک الجھایا گیا ہے اور اسلام کی مظلومیت کا معاملہ اس حد تک بڑھا ہے کہ شاید ہی مستقبل قریب میں اس گتھی کو سلجھایا جاسکے۔

—— جو بات چادر و چار دیواری سے چلی تھی اس کا انجام خاتونِ اوّل کے غیر ملکی دوروں، سربراہانِ مملکت سے ملاقاتوں، اور ہاکی و کرکٹ کی ٹیموں کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ ایک خاص طبقہ کی عورتیں جو ثقافت (!) کے نام پر ملک میں اسلامی و مشرقی روایات کی قاتل ہیں، انہیں ایوانِ صدر میں کئی کئی گھنٹے بٹھانا، ان سے گپ شپ کرنا بھی اسی دور میں ہوا —— الغرض یہ داستان بڑی طویل اور دردناک ہے، اس پر قلم اٹھانا میرے بس میں نہیں۔

ادھر قانونِ شہادت، قانونِ دیت اور شرعی کورٹس وغیرہ کا لفظی ہنگامہ کھڑا کر کے اور عملاً کچھ نہ کر کے اور ہی مصیبت کھڑی کر دی گئی۔ بعض سرکاری قسم کے اہلِ علم، دانش ور حضرات اور اخبارات نے پھر ان مسائل کے سلسلہ میں جو رویہ اختیار کیا وہ اور ہی نہلے پہ دہلے والی بات تھی، ان سب باتوں کا نتیجہ اس جلوس کی شکل میں سامنے آیا جو کچھ دن قبل لاہور جیسے اہم اور مرکزی شہر میں جو کبھی علم و عرفان کا مرکز تھا، ہماری قابلِ احترام خواتین نے نکالا اور ان محترم بہنوں نے جوشِ جذبات میں اسلامی اور مشرقی روایات و اقدار تک کا پاس و لحاظ نہ کیا۔ اس جلوس کے بعد ہمارے کچھ اہلِ علم اور اہلِ سیاست جنہیں روزانہ اخبارات میں چھپنے کی زبردست خواہش ہوتی ہے، لنگر لنگوٹ کس کر سامنے آئے اور جو ان کے جی میں آیا کہہ کر انہوں نے جلتی پر تیل ڈالنے کا فرض سرانجام دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ان قابلِ احترام خواتین سے ہمدردی ہے، ہم ان کو نہیں، بلکہ اس ملک کے

نظامِ تعلیم و تربیت کو مجرم گردانتے ہیں، اے کاش! اس ملک کے ذمہ داروں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے تعلیمی نظام پر غور کیا ہوتا اور اس کی اصلاح کی فکر کی ہوتی تو آج یہ برگ و بار ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

نظامِ تعلیم و تربیت کی خرابی و بگاڑ کے ساتھ ساتھ ملک میں روزِ اوّل سے بعض قد آور شخصیات سٹیج پہ رہیں جن میں ملک کے بانی کی ہمشیرہ محترمہ اور پہلے وزیرِ اعظم مرحوم کی اہلیہ محترمہ کا نام سب سے نمایاں ہے۔

خدمتِ دین کے جذبہ سے ملک بنانے والی مسلم لیگ نے تحریکِ پاکستان کے دوران خواتین کو سڑکوں پر نکالا ' نظامِ مصطفیٰ (؟) ' کے علمبردار قومی اتحاد نے صنفِ نازک سے جلوس نکلوائے اور ۱۹۶۴ء کے صدارتی الیکشن میں بانی پاکستان کی ہمشیرہ محترمہ کو " جمہوریت کی بحالی " کے لئے میدانِ انتخاب میں لایا گیا اور اسلامی نظام کے علمبرداروں نے یہاں تک کہہ دیا کہ محترمہ میں اگر کوئی نقص ہے تو محض ان کا عورت ہونا ہے اور ایوب خان میں کوئی خوبی ہے تو محض ان کا مرد ہونا ہے —— حتیٰ کہ " قرآن و سنّت " کی روشنی میں اور دلائلِ شرعیہ کے حوالہ سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی سعی کی گئی۔ گویا ؎ — خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔ کے مصداق وہ کچھ ہوا جس کی توقع نہ تھی

آج بھی حالت یہ ہے کہ سیاست سے لے کر تعلیم کے میدان میں کئی ایک مدعیانِ دین — سیاسی جماعتوں کی نسوانی کمیٹیاں اور سیل قائم ہیں، ان کے اجتماعات ہوتے ہیں اور ان پارٹیوں کے مرد رہنما دھڑلے سے وہاں خطاب فرماتے ہیں۔ خواتین کے کنونشن ہوتے ہیں، خواتین کی سیرت کانفرنسیں ہوتی ہیں، ان میں سربراہِ مملکت خطاب فرماتے ہیں، ان اجتماعات کے فوٹو پریس میں چھپتے ہیں اور ٹی وی کے ذریعہ سے ان کی جھلکیاں دکھائی جاتی ہیں لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اگر رینگتی ہے تو اس شکل میں جب دینی تعلیم و تربیت سے محروم جماعتوں کے نسوانی سیل سڑکوں پر آکر مارچ پاسٹ کرتے اور اقدارِ ملی سے ناواقفیت کی بنیاد پر برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کوئی بد ذوق ہماری تحریر سے یہ اثر لے کہ ہم ایسی خواتین کی وکالت کر رہے ہیں، — حاشا و کلا یہ صورت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں دکھ ہوتا ہے کہ حکمت و تدبر کے انداز سے اصلاح کے بجائے بگاڑ کو بڑھایا جا رہا ہے۔ ورنہ اگر " اوپر والے " اور اسلام کے مدعی نہیں بلکہ اجارہ دار اوپر سے اصلاح کا عمل شروع کر کے اپنی بہو بیٹیوں کو شرعی ستر و حجاب کا پابند بنا لیں تو اگلا مرحلہ خود بخود درست ہو جائے گا کیونکہ الناس علی دین ملوکھم۔ لیکن اگر یہی شب و روز رہے اور صنفِ نازک سے اس کے " اسلامی مقام " پہ تقریروں کی یہ سل ختم نہ کی گئی اور تعلیم و تربیت کا سسٹم تبدیل نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب شفقت و رحم کی رسیا خاتون وہ کر گزرے گی جس کا ہمیں احساس و اندازہ تک نہیں۔

ہمیں کہنے کی اجازت دیں کہ ہمارے پڑوس کا ملک ہندوستان ہے، وہاں کے کروڑوں مسلمانوں کو ہمارے حالات کی لہروں کے سپرد کر دیا لیکن ان غیرت مندوں نے ایمان و یقین اور اپنی روایات و اقدار کی حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر کی ـــــ ابھی حال میں وہاں کے سپریم کورٹ نے مطلقہ کے نان و نفقہ کے متعلق فیصلہ دیا تو مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی جیسے انسان جو ہنگاموں سے دور رہ کر تعلیم و تربیت کا کام کرنے والے ہیں میدان میں آ گئے کچھ دن کا ہر مسلم ادارہ اور ہر مسلم جماعت سامنے آ گئی اور مسلمانوں نے بنیان مرصوص بن کر حکومت کو حقیقت شناسی پر مجبور کر دیا چنانچہ آج جب ہم یہ سطور قلم بند کر رہے ہیں تو اخبارات میں یہ خبر چھپ چکی ہے کہ وہاں کی پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جا چکا ہے اور یہ وہی مسودہ قانون ہے جس پر بھارتی وزیر اعظم نے مسلمان رہنماؤں سے بات چیت کی اور جس کا ذکر اس محاذ کے سربراہ مولانا علی میاں نے حال ہی میں کیا (دیکھیں نقیب پھلواری شریف کا شمارہ)

ادھر ہمارا حال یہ ہے کہ ایوب خان مرحوم کے زمانہ میں "عائلی قوانین" کے نام سے گویا "مسلم پرسنل لا" میں مداخلت ہوئی۔ اس کمیشن کے تنہا ممبر مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ جنہوں نے حکومتی حلقوں سے وابستگی کے باوصف بڑی خودداری اور غیرت مندی کا مظاہرہ کر کے صداقت کی روایت پڑھا دی۔

ایوب خان مرحوم کی حکومت بڑی ہی پر سوار تھی اس نے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔ اس وقت علماء کی سب سے موثر تنظیم "جمعیۃ علماء اسلام" نے اپنے امیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں زبردست جدوجہد کی۔ ان کے علاوہ بہت سی جماعتوں اور افراد نے اس پر احتجاج کیا لیکن کشمکش جاری رہی۔ مختصر یہ کہ بہت سے معاملات کی طرح اس معاملہ کو بھی "پارلیمنٹ" کی نذر کیا گیا۔ ون یونٹ کی اسمبلی میں مولانا غلام غوث ہزاروی تھے جن کے نظریاتی و فکری دو چار رکن ساتھی تھے ... ووٹوں اور ایک ووٹ سے ہر اسمبلی نے اس کی تنسیخ کی سفارش کی لیکن اس سے طویل ... ہو نہ سکی ... مرحوم ڈی کر میں ہونے والے مرکزی پارلیمنٹ کے اجلاس میں کثرت رائے سے بہرحال پر مولانا مفتی محمود مرحوم کے بل کو مسترد کر دیا گیا گویا "پیمان کو توڑنے کے بجائے گئے" پیمان رکھنے والوں سے بازی جیت لی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

اسی دور میں اس آرڈیننس پر علماء کا ایک تبصرہ سامنے آیا جو مولانا کوثر نیازی کے پرچہ "شہاب" کی اشاعت ۱۹ مارچ ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ اس تبصرہ پر جامعہ اشرفیہ لاہور جیسی مرکزی درسگاہ کے مہتمم و بانی مولانا مفتی محمد حسن اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے دستخط تھے۔ بریلوی مکتب فکر کے مولانا ابوالبرکات اور ان کے صاحبزادے علامہ محمود احمد رضوی اور بھتیجے مولانا خلیل احمد کے دستخط تھے۔

اہل حدیث حضرات میں سے مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا محمود احمد [illegible] مولانا ابوالحسنی امام خان نوشہروی اور مولانا عبداللہ روپڑی کی نیابت شامل تھی، مفتی جعفر حسین صاحب اور حافظ کفایت حسین صاحب کی شیعہ حضرات میں سے نمائندگی تھی اور مولانا عبدالستار خان نیازی نے بھی دستخط کرنے والوں میں تھے لیکن یہ مانگ تو زمین پھر دبی کی دبی رہی۔ ایوب خاں کے بعد یحییٰ خان اور بھٹو کی حکومتیں گذریں۔ اب اس "سنہری دور" میں شریعت کورٹ" کے قائم ہونے کے باوصف کچھ نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو معاملات اس کورٹ میں پیش نہیں کئے جا سکتے ان میں عائلی قوانین بھی شامل ہیں اور یہ کتابچہ تنظیم اسلامی چھپوا کر تقسیم کر چکی ہے اور میثاق میں بھی اسے از سر نو شائع کر دیا گیا ہے۔

گویا حکمران جنہیں "خادم اسلام" ہونے کا شدید دعویٰ اور اصرار ہے وہ اس قانون کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں تو اہل علم و اہل دین کو اس مسئلہ کو دیکھنے کی کھوج لگانی چاہیے [illegible] یہ لوگ دینی تعلیم و تربیت سے نا آشنا اور خود مغرب زدہ کو ونسا ہیں [illegible] ایسے [illegible] ان عورتوں کے نکاح مشکوک ہو چکے ہیں وہ ایسے حکمرانوں کے متعلق فتویٰ دیں گے [illegible] متعلق ارشاد فرمائیں گے؟ بات بڑی تلخ ہے لیکن ہمارے لیے [illegible] وقت آ گیا ہے [illegible] ان عورتوں کو مساوات [illegible] حکومت کی غلط کاریاں، تعلیم و تربیت کا فقدان [illegible] اور مقصود کیا گیا [illegible] کے حکمرانوں میں سے ایک شخصیت کے زیر سایہ [illegible] دانشوروں نے بھی اس معاملہ میں اہمیت سے [illegible] نے رہنے کے [illegible] ہمدردیاں حاصل کرنا چاہیں۔ [illegible] کی بات [illegible] ہے لیکن کہنا ہے کہ ان کا انداز اسلام کے اصول حکمت کے سراسر خلاف تھا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے اہل اقتدار اپنا قبلہ درست کریں [illegible] ختم کریں اگر وہ دیانت داری سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں عورتوں کو [illegible] جڑ اور [illegible] فکر کرنی چاہیے ——— پہاڑ جیسے مسائل ہمارے سر پر ہیں جن میں سود کی لعنت، جاگیردارانہ سسٹم، سیاست اور معاش پر چند خاندانوں کی اجارہ داری، فرقہ پرستی اور [illegible] دوسرے مسائل شامل ہیں۔ جرأت لیکن حکمت و تدبر دینی کے ساتھ ان مسائل کو حل کریں [illegible] کا ڈھنڈورہ پیٹ کر جو شر کیا گیا ان کا اندازہ اس سے ہو گا کہ ملک میں جب ہم کس رفتار سے [illegible] اور شرعی کورٹ، قانون شہادت اور ایسی باتوں کا لفظی ہنگامہ کھڑا کر کے اسلامی اقدار کو [illegible] کے [illegible] نسوانی جلسے اور جلوس کافی ثبوت ہیں۔

کس قدر مقام تعجب ہے کہ یہاں اس بڑھیا کی روایت دہرائی جاتی ہے جس کا ذکر تمثیل کے اندر میں اللہ تعالیٰ نے کیا کہ سوت کاتتی اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ——— کیا زندگی کے ہر شعبہ میں اسی رویہ کو اختیار نہیں کیا گیا؟ سیاسی جماعتوں کو کوس کوس کر غیر جماعتی ایوان قائم کر کے پھر ایک سیاسی جماعت کو دودھ مکھن کیوں کھلایا جا رہا ہے۔ اور کیوں اپنے ہی اقوال کی سرعام تردید ہو رہی ہے؟ ——— کیا یہ بات درست ہے کہ ہمارا مسائل اور وسائل کی نقد جماعت کو جنم بخشنے کی غرض سے سرکاری و غیر سرکاری وسائل داؤ پر لگا دیئے جائیں؟

یہی حال نسوانی مسئلہ میں بھی ہوا۔ چادر اور چار دیواری کی نوید سنا کر لڑکیوں کو کرکٹ و ہاکی کے میدان میں لا کھڑا کیا گیا اور شرعی کورٹ کے ہاتھ باندھ دیئے کہ وہ عائلی قوانین سے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرے؟

ہم اپنی عزیز بہنوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کریں گے کہ بعض غلط کار حکمرانوں اور نام نہاد اجارہ دارانِ دین و ملت کی غلطیاں "انسانیت کے مذہب" اسلام کے کھاتہ میں ڈال کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ سے ہمیں ہمدردی ہے۔ ہم دنیا کی ہر عورت کو فطرت کے تفاوت کے اعتبار سے ماں، بہن اور بیٹی کا درجہ دیتے ہیں۔ بالخصوص اسلام و دین کے حوالہ سے مسلم خواتین کا ہم پر زیادہ حق ہے۔ ہمیں احساس ہے کہ انہیں غلط تعلیم و تربیت نے اس رخ پر ڈالا ہے۔ بعض غلط سماجی بندھنوں نے ان کے اندر تلخیاں پیدا کی ہیں ——— لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو ہو رہا ہے اور جو کہا جا رہا ہے وہ اسلام نہیں نہ اسلام کی تعلیم دکھائی رہی ہے ——— اگر کبھی آپ کی اور ہماری زندگی میں محمد عربی رحمۃ للعالمین علیہ التحیۃ والتسلیم کا لایا ہوا دین اور اس کی ہدایات واقدار عملاً سامنے آگئیں تو آپ دیکھیں گی کہ کس طرح آپ کے حقوق کا تحفظ ہوتا اور کس طرح آپ کو احترام نصیب ہوتا ہے۔

بہنو! سوچو! تم محمد عربی کی امتی ہو، محمد علیہ السلام مردوں ہی کے نہیں، عورتوں کے بھی تھے بلکہ آپؐ تو جانوروں، چوپایوں کے بھی تھے، آپؐ "رحمت" تھے سبھی کے لیے، آپؐ کی تعلیم میں یقیناً تمہارے لئے زیادہ رعایتیں ہیں، ان کا طرزِ عمل تمہارے حق میں زیادہ مشفقانہ ہے، اس آقائے کائنات نے تمہارے ہی لئے "آبگینہ" کی تعبیر ارشاد فرمائی۔ جسے بچا بچا کر رکھنا اور غایت درجہ احتیاط سے جس کی حفاظت کرنا ضروری ہے ——— اس ذات اقدسؐ پر جو قرآن نازل ہوا اس میں مردوں کو اگر "قوام" کہا گیا تو صرف تمہاری رعایت میں، جس کا معنی یہ ہے کہ مرد تمہارے متکفل ہیں تمہاری معاشی ذمہ داریاں ان پر ہیں اور بہت سے ایسے کام جو عورت ہونے کے ناطے تمہارے لئے ممکن نہیں ان کو وہ ادا کرے گا، وہ قوام، حاکم نہیں ہوتا۔ وہ بوجھ کا اٹھانے والا اور مشکل معاملات

کا سلجھانے والا ہوتا ہے۔

اس رسول عربیؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ کے سوال پر کہ عورت کے لئے کون سی چیز بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا تھا "کہ نہ تو اسے کوئی اجنبی مرد دیکھے اور نہ وہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے" اس پر نازل ہونے والے قرآن میں مردوں کو پابند کیا گیا کہ "عورت کے ساتھ معقول برتاؤ کرو اور اچھی طرح اس کے ساتھ زندگی گذارو" جس کی تشریح یہ ہے کہ:

بیویوں سے گفتگو بھی میٹھی اور اچھے انداز میں کیا کرو۔ ان کے ساتھ اپنا طرز عمل اور حلیہ بھی اچھا بنا کر رکھو جیسا کہ تمہاری خواہش یہ ہے کہ عورتیں اپنا طرز عمل و حلیہ تمہارے لئے اچھا بنائیں ـــــ دیکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں باہمی حقوق کی بات کی ہے۔ یعنی جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح کا معاملہ برعکس بھی ہے۔ اور حضور اقدس علیہ السلام اسی حوالے سے فرماتے ہیں کہ "تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہے اور مجھے دیکھو کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں" حضور اقدس اپنے متعلقین کے ساتھ اچھی طرح زندگی گذارتے ان کے ساتھ خوش طبعی بھی فرماتے ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ان کے خرچ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اپنی اہلیہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلجوئی کی غرض سے ان کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ بھی کیا کبھی کبھار سبھی کو ایک جگہ اکٹھا کر کے مل کر کھانا تناول فرمایتے اور سونے سے قبل دلچسپی کی باتیں بھی کرتے۔ (امام غزالیؒ)

حضور اقدس نے حضرت عائشہ کی کمسنی کے سبب ان کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ وقت گزار لیا کریں۔ اپنی سب سے پہلی اہلیہ حضرت خدیجہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ کو وفات کے بعد برابر یاد کرتے ان کے لئے دعا مغفرت فرماتے ایک مرتبہ ان کی ہمشیرہ آئیں تو آپ کا غم تازہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے ایک خاتون (ماں) کے پاؤں تلے جنت بتلائی تو ایک خاتون (بیٹی) کو جہنم سے آڑ کا اوٹ بتلایا اور فرمایا:

"کہ جو لڑکیوں کی اچھے انداز سے تربیت کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔"

ایک خاتون (بیوی) کے متعلق "حسن سلوک" کی نصیحت کی کسی وقت اپنی طبعی اور خلقی ناداری کے سبب وہ ایسی ویسی بات بھی کہہ دے تو بھی برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور یہاں تک فرمایا (اور اس کا ماخذ قرآن ہے) کہ اگر کسی وقت ایک عورت کے ساتھ گزر بسر میں دقت

پیش آئے تو بھی صبر سے کام لو کیونکہ ممکن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہتری رکھی ہو۔
حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ انہی ہدایات کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ مرد عورت کو اذیت نہ پہنچائے بلکہ اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اسے بھی برداشت کرے۔"

دورِ حاضر کے ایک سلیم الفطرت دانشور کی بات کتنی صحیح ہے کہ

"دنیا کے قوانین شاید اس بشری حکم کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوں بلکہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں بھی غالباً یہ حکم اول اول لکھا جائے کہ طلاق کے وقت جبکہ عموماً دونوں طرف جذبات بھڑکے ہوئے اور ہر ایک کی دوسرے سے نفرت نقطۂ عروج پر ہوتی ہے ایسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردوں کو یہ حکم خاص طور پر دیا گیا ہے کہ غصہ کو قابو میں رکھ کر مردانگی کا ثبوت دیں۔ اگر کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئے یا کسی سے حق ناحق کے آگے جھکیں گے ظاہر یہ پیدا ہے کہ عورت کی عزت و خیال اس وقت بھی رہے اور اس کے تمام واجبات ادا کرنے کے ساتھ مزید کچھ تحفہ دے کر اس کی قلبی تکلیف دور کرنے کی کوشش اور طلاق سے پہنچنے والے صدمہ کی تلافی کی جائے یعنی طلاق کے زخم پر ایک مرہم رکھ دیا جائے۔"

گویا بدقسمتی سے طلاق کی شکل میں بھی اس کا لحاظ ہے کہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے ——— ہے کوئی دنیا کا کوئی دوسرا قانون جو اس سے بہتر رعایتیں دے گا یا دیتا ہے؟ ——— ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی دوسرے مذاہب اور دساتیر عالم کا تقابلی مطالعہ کرکے اندازہ کرو کہ اسلام کا یہ رحمت کس درجہ ہے اور تمہیں عزت و وقار بخشا اور کس طرح نہیں نوازا ہے۔

بہنو! اسلام کو محمد عربی علیہ السلام کے طرزِ عمل، اصولِ زندگی اور معاشرت کی روشنی میں سمجھو۔ اگر تم ایسا کرو گی تو نسلِ انسانی پر تمہارا احسان ہوگا۔

امید کہ درد و خلوص کے یہ الفاظ تمہارے دل سے ذہن تک رسائی حاصل کر لیں گے اور تم ایک مخلص کی باتوں کا وزن محسوس کرکے اپنے رویہ میں تبدیلی کرو گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے!

مسلم فیملی لاز آرڈیننس

پر علماء کا تبصرہ

۲ مارچ کو مرکزی حکومت نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے نام سے جو قانونی حکم صادر کیا ہے اس کو پیش کرتے ہوئے وزیر قانون جناب محمد منیر صاحب نے جو توضیحی بیان دیا ہے اس کو ہم نے بغور دیکھا۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سال کے دوران میں عائلی کمیشن کی رپورٹ پر اہل علم اور دینی تعلیم کے جاننے والوں کی طرف سے جو مدلل تبصرے کئے گئے تھے اور اس کی کمزوریاں اور خامیاں صاف صاف نشاندہی خود کمیشن کے ایک عالم دین رکن اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھیں ان سب کو مرکزی حکومت نے بالکل نظرانداز کر دیا اور اس کمیشن کی جن سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا ہے مزید برآں اس بات کا ہے کہ وزیر قانون نے اس نئی قانون سازی کو عین مطابق قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہ امر موجب اطمینان ہے کہ اس آرڈیننس کو فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا ہے اور اس کے نفاذ کی تاریخ کے لئے کسی اعلان تک موخر کیا گیا ہے۔ ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر پورے دلائل کے ساتھ اس آرڈیننس کی غلط اور خلاف شریعت دفعات کو واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ حکومت ان پر ایک مرتبہ غور کرلے اور ان کی اصلاح کا ذکر کرے۔ موجودہ حکومت کی یہ ایک قابل قدر روایت رہی ہے کہ اس نے کسی فیصلہ کی غلطی اگر اس پر واضح کر دی گئی ہے تو اس نے اس فیصلے پر نظرثانی کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈیننس کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔ ذیل میں آرڈیننس کی قابل اعتراض دفعات پر سلسلہ وار تبصرہ اس کی تصحیح کی غرض کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

دفعہ نمبر۴: اس دفعہ کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ بظاہر یہ تو لوگوں کے خیال میں یہ ترمیم قانون کی گئی ہے لیکن اس کے اندر قرآن کے بیان کردہ قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

۱۔ قرآن ایک مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصّے مقرر کرتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں لیکن آرڈی نینس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصّہ دلواتی ہے جو مورث کی زندگی میں وفات پاچکے ہوں، اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر وہ گویا زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصّہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصّہ نکالتے ہی انہیں مُردہ تسلیم کرلیا جائیگا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ حصّہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ دونوں مفروضات اور قانونی حیلے اخذ کئے گئے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصّے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ، ماں، باپ، بیوی، شوہر اور مورث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں۔ لیکن آرڈی نینس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لئے منتخب کرتی ہے کہ مورث کی زندگی میں مرجانے کے باوجود وہ حصّہ وصول کرنے کے لئے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کئے جائیں گے۔ اور پھر آگے حصّہ تقسیم کرنے کے لئے مُردہ تسلیم کرلئے جائینگے، یہ امتیاز قرآن کی کس نص یا اس کے کس اقتضاء، دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے؟

۳۔ قرآن کی رو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا حق ہے قطع نظر اس سے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں۔ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں۔ بالغ ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اس آرڈی نینس میں مزید امتیاز یہ برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لاولد مرگئے ہوں۔ ان کو تو حصّہ وصول کرنے کے لئے زندہ فرض نہیں کیا جائیگا۔ البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں صرف ان کا حصّہ وصول کیا جائے گا۔ اس امتیاز کے لئے قرآن کریم میں کیا دلیل ہے؟

۴۔ یہ آرڈی نینس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصّہ پہنچاتا ہے۔ درآنحالیکہ قرآن کی رو سے اگر مورث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو وہ پھر ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو بھی پہنچنا چاہئے۔ مثلاً اگر ایک متوفیہ بیٹی کا حصّہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے اگر وہ زندہ ہو اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ باپ سے حصّہ پارہی ہو اور اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ ماں سے حصّہ پارہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کو حصّہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کو چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے؟

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشاء کو پورا کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانون میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مالدار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشاء یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعی غلط ہوگا یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشاء ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیئے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشاء کو ایک صاف حکم کے ذریعہ سے کھول دیتا؟ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو مخفی نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اگر حضورؐ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ ہے کہ قرآن کا یہ منشاء تمام خلفاء سے، تمام صحابہ سے، تمام آئمہ و اہل بیت سے، تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہاء سے مخفی رہ گیا۔ اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند ان لوگوں نے جنہوں نے چاہے جس علم کی بھی تعلیم و تربیت پائی ہو۔ قرآن و سنت کے علم کی تربیت نہیں پائی۔ باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ اس معاملے میں شریعت کے خلاف طریقوں کو درخور اعتنا سمجھا جاتا ہے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ۵: اس دفعہ کی رو سے یہ لازم کیا گیا ہے کہ تمام نکاح جو کسی علاقے میں ہوں وہ اس علاقے میں یونین کونسل کے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے پاس درج کئے جائیں اور اگر نکاح رجسٹرار کے سوا کسی اور نکاح خواں سے نکاح پڑھایا ہو تو اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو کی جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تین مہینے قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہاں تک نکاح کی رجسٹری کا تعلق ہے اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے انکار نہیں۔ اگر اس رجسٹری کے لئے ملک میں جگہ جگہ مناسب انتظامات موجود ہوں اور لوگوں کے علم میں اس کے فائدے لائے جائیں تو امید ہے کہ لوگ خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے رجسٹریشن کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن اس کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی کو ایک جرم مستلزم سزا قرار دینا متعدد وجوہ سے غلط ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح شرعاً بالکل صحیح طور پر منعقد ہو جاتا ہے اگر عورت اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا ہو۔ نکاح کا خطبہ پڑھا جانا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کسی قاضی یا عالم کا موجود ہونا اور اس کا خطبہ پڑھنے کے بعد ایجاب و قبول کرانا از قسم ضرورت مستحبات میں سے ہے۔ نکاح اس کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے لیکن یہ رجسٹریشن کا حکم نکاح خوان کا باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ جس نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو اور شریعت کے مطابق دو شہادتیں اس پر قائم ہو جائیں تو کیا اس کو آپ کی عدالت تسلیم کرے گی یا نہیں؟ اس نکاح کی بنا پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا جائز وارث تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ ان سے پیدا شدہ اولاد کو جائز اولاد مانا جائے گا یا نہیں؟ وہ اولاد اپنے باپ سے میراث پانے کی یا نہیں؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یہ شریعت اسلامیہ سے کھلا تصادم ہے کیونکہ شریعت کی رُو سے ایک نکاح جائز ہوگا اور آپ کے قانون کی رُو سے وہ ناجائز ہوگا۔ شریعت کی رُو سے کچھ حقوق ثابت ہوں گے اور آپ کے قانون کی رُو سے وہ باطل ہو جائیں گے اور اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر از روئے قانون رجسٹریشن کو لازم کرنا اور رجسٹری نہ کرانے والوں کو سزائیں دینا عمل بے معنی ہو جاتا ہے۔

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی یقینی ذریعہ ہے؟ اور آج تک مسلمانوں میں جو نکاح رجسٹری کے بغیر ہوتے رہے ہیں ان پر اس ذریعہ کو کوئی واضح فوقیت حاصل ہے؟ ہمارے خیال میں تو رجسٹریشن کو اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔ ملک کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت میں اس بات کا بہت کافی امکان ہے کہ ایک بااثر غنڈہ شوہر اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرا دے اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کی گواہیاں ثبت کرا دے، اس طرح کے اندراجات سے

ساری قباحتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو موجودہ طریق نکاح کی صورت میں فرض کی جا سکتی ہیں۔

ان وجوہ سے ہم پھر اپنی اس رائے پر اصرار کریں گے کہ رجسٹریشن کی سہولتوں کو صرف مہیا کر دینے پر اکتفا کیا جائے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ رضاکارانہ طریقے پر ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اس شعبے کے ہر مسئلہ کو جبر و تعزیر کے زور سے حل کرنے کی کوشش نہ صحیح ہے اور نہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۶: یہ دفعہ تعدد ازدواج پر پابندی عائد کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دفعہ کا تجزیہ کر کے اس پر بحث کریں، ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعدد ازدواج کو اصلاً ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر ضرورت کی صورت میں اس کو جائز قرار دینا ایک غیر اسلامی تخیل ہے۔ اسلام اس تخیل سے قطعاً ناآشنا ہے۔ یہ مغرب سے درآمد ہوا ہے اور اس کے جواز کو ناگزیر ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی کوشش مغرب کے سامنے ایک معذرت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے ان میں سے بیشتر تعدد ازدواج پر عامل تھے۔ خود سرور انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکر حدیث بھی اس امر واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر ہے (وازواجہ امہاتہم، قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہ، اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ ان میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ ان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی! اس چیز کو اصلاً ایک برائی تسلیم کر لینے کے بعد تو نعوذ باللہ ان کے مقابل اہل مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بنا پر بھی ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں، اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم از کم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ضرورتاً اس "برائی" پر عمل کرتے رہے۔

مزید براں یہ بات قابل غور ہے کہ تعدد ازدواج کے معاملے میں تو ہمارے وزیر قانون صاحب اور ہمارے دوسرے لیڈروں اور حکمرانوں کو قرآن کا کوئی مخفی منشا تلاش کر کے اس پر پابندیاں عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی لیکن قرآن نے جن برائیوں کو صریح الفاظ میں منع کیا ہے، ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ سے روکنے کی انہوں نے کوئی

ضرورت محسوس نہیں کی اگر ایک شخص ایک بیوی کے موجود ہوتے ہوئے طوائفوں کے ہاں جائے یا کوئی داشتہ رکھے یا آزادانہ شہوت رانی کرتا پھرے تو فرمائیے کہ آپ کے قانون میں اس کے لئے کیا رکاوٹ ہے؟ کیا سزا اس کے لئے تجویز کی گئی ہے؟ کن بیگمات نے اس کے خلاف کبھی احتجاج کیا اور اس کو از روئے قانون روکنے کا کبھی مطالبہ کیا؟ کب آپ نے کوئی کمیشن بٹھایا کہ اس کے سدباب کے لئے بھی کوئی تجویز کی جائے۔ اس صریح برائی کو تو آپ روا داری کا مستحق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن اسے انتہائی سخت جرم قرار دیتا ہے اور اس کے لئے سخت سزا تجویز کرتا ہے مگر تعدد ازدواج پر آپ پابندیاں عائد کرنے کی فکر کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے منشا کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طرز عمل کسی صحیح ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا۔ کیوں صاف صاف یہ اعتراف نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا منشا پورا کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ بلکہ ان اہل مغرب کے سامنے معذرت پیش کرنا مقصود ہے جو مسلمانوں سے سابقہ پیش آتے ہی سب سے پہلے تعدد ازدواج پر پھبتیاں شروع کر دیتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ غیر قانونی تعدد ازدواج اُن کے ہاں جس بڑے پیمانے پر رائج ہے اتنا ہی مشکل ہی سے دنیا کی کسی سوسائٹی میں آج تک رائج رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ ان کے بعض ملکوں میں آج خود یو این او کی ایک رپورٹ کے مطابق ناجائز ولادتوں کا اوسط ۷۰ فی صدی تک پہنچ چکا ہے۔

اب ہم اس دفعہ کے مشتملات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کو جو ایک بیوی یا زائد بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کرنا چاہتا ہو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اولاً وہ اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے، ثانیاً اپنے علاقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کرے۔ ثالثاً ایک پنچایت کو جو اس شخص کے نمائندے اور اس کی پہلی یا بیویوں کے نمائندے اور یونین کونسل کے چیئرمین پر مشتمل ہوگی، اس بات پر مطمئن کرے کہ اس کا مزید ایک بیوی کرنا ضروری اور حق بجانب ہے اور ان شرائط کی تکمیل کے بعد پنچایت سے اجازت نامہ حاصل کرنے پر وہ نکاح کرنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن پنچایت کے اس فیصلے کے خلاف مغربی پاکستان میں کلکٹر کے پاس اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژن آفیسر کے پاس نگرانی کی جا سکے گی اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جس کے خلاف کہیں کوئی اپیل نہ ہو سکے گی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نکاح کی اجازت دینے کے حق میں ہو یا اجازت منسوخ کرنے کے حق میں۔ مزید برآں اس دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا قاعدہ کے خلاف نکاح کرے۔

۱۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو فوراً پورا مہر دلوایا جائے گا۔ خواہ وہ اصلاً مہر معجل ہو یا موجل۔
۲۔ اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی۔ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔
۳۔ اس کا نکاح علاقے کے رجسٹرار کے پاس درج نہیں کیا جائے گا۔ جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ وہ سرے سے قانوناً مسلم ہی نہیں ہوگا
۴۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس شکایت کی بنیاد پر عدالت میں خلع کا مطالبہ کرے یا کریں۔

وزیر قانون صاحب ہم کو یہ یقین دلانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ سب کچھ انہوں نے قرآن کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے کیا ہے۔ لیکن قرآن کے جس منشاء کی وہ نشان دہی فرماتے ہیں۔ وہ خود ان کے الفاظ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ نکاح اس شرط پر ناجائز ہے کہ شوہر سب بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ وزیر قانون صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ تعداد پر پابندیاں اس لئے عائد فرما رہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا کر ایک سے زائد بیویاں کر لیتے ہیں اور عدل کی شرط پوری نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال آیا نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ شکایت قرآن کی رُو سے جائز طور پر صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو۔ اور اس وقت ایک بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو۔ یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے اس منشاء کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا فحوی سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجود بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے اور ایک پنچایت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے؟ پھر قرآن کے کس لفظ یا اشارے سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ جو نکاح موجود بیوی یا بیویوں سے اجازت لئے بغیر اور ایک پنچایت سے لائسنس حاصل کئے بغیر کیا گیا ہو۔ وہ قانوناً تسلیم ہی نہ کیا جائے اور اس شخص کو جیل بھی بھیج دیا جائے۔ اور قبل اس کے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو عدل نہ کئے جانے کی شکایت پیدا ہو۔ مجرّد نکاح کر لینا ہی وہ جائز وجہ شکایت ہو جس کی بنا پر وہ خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے یا کر سکتی ہیں؟ براہ کرم ہمیں یہ بتائیے

اور یہ سب کچھ قرآن کے کس مقام سے اخذ کیا گیا ہے؟ اور اگر قرآن میں یہ نہیں ہے تو کیا حدیث اور شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں ان سے پہلے حضور نے صحابہ کرام کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے دوسری بیوی کی ضرورت ہے؟ یا کبھی کبار اسلام میں سے کسی کو دوسری شادی کرنے سے پہلے اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ وہ کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کرے؟ کیا تاریخ اسلام میں کبھی کسی قاضی نے اور صرف اس بنا پر نکاح کے منسوخ کرنے کا حق دیا گیا ہو کہ مرد نے بلا اجازت دوسری شادی کر لی ہے! یا کسی شخص کو اس جرم میں پکڑا گیا ہو کہ اس نے پچھلی بیویوں سے اجازت لے کر اور پنچایت سے لائسنس لئے بغیر دوسرا نکاح کر ڈالا ہے؟

اگر یہ شق نص قرآن کا نام دے کر مغربی تخیلات کو اسلامی قانون میں داخل کرتا ہے تب تو بات دوسری ہے ورنہ قرآن کے منشا کو پورا کرنا فی الواقع پیش نظر ہو تو یہ پوری دفعہ رد کئے جانے کے قابل ہے کیونکہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی بنیادی تخیلات اور ان کے اصول و قواعد سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اس کے بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہ کرے اس کے خلاف اس بیوی کو عدالت میں شکایت لے جانے کا حق دیا گیا جس کے ساتھ عدل نہ کیا جا رہا ہو اور عدالت شوہر کو اس کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کرے گی

دفعہ نمبر ۷: اس دفعہ میں طلاق کے جو احکام وضع کئے گئے ہیں وہ تقریباً پورے کے پورے قرآن کے احکام سے خلاف ہیں اور ان احکام کو نافذ کرنے کے نتائج مسلم معاشرہ کے حق میں اس قدر خطرناک ہوں گے کہ شاید کبھی ان کا پورا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی پہلی شق میں حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی صورت میں طلاق دے (اور کسی صورت سے مراد یہ ہے کہ خواہ طلاق صریح دی یا کنایۃ یا مغلظہ) وہ یونین کونسل کے چیئرمین کو اپنے اس فعل کی اطلاع دے گا۔ دوسری شق میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو شخص اطلاع نہ دے اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ تیسری اور پانچویں شق میں طے کیا گیا ہے کہ:

۱۔ طلاق کی مدت طلاق دینے کے وقت سے شروع نہیں ہوگی بلکہ یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس ملنے کے بعد سے شروع ہوگی۔

۲ - اور یہ عدت عورت کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں ۹۰ دن کی ہوگی اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک یا ۹۰ دن تک ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو، ممتد ہوگی یعنی اس مدت کے اندر رجوع کا حق ہوگا۔

۳ - یونین کونسل کا چیئرمین نوٹس ملنے کے بعد ۳۰ دن کے اندر ایک پنچایت مقرر کرے گا جو زوجین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے گی اور اس کے ناکام ہونے کی صورت میں طلاق نافذ ہوگی۔

یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں۔ وزیر قانون صاحب اپنے بیان میں فرماتے ہیں "مسلم قانون طلاق کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کبھی میاں اور بیوی میں اختلافات رونما ہوں تو قریبی رشتہ دار اور دوسرے لوگ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں تاکہ نوبت تفریق تک نہ ہونے پائے" لیکن دراصل انہوں نے قرآن کے دو احکام کو بالکل غلط طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ اور قرآن کے دیے ہوئے حق طلاق کو ایک پنچایت کے ساتھ معلق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے احکام بالکل الگ بیان کئے گئے ہیں۔ اور میاں بیوی کے اختلافات کو رفع کرنے کی صورت الگ بیان کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں آیت ۲۲۷ سے لیکر ۲۴۲ تک اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ میں اور سورۂ طلاق کی پہلی سات آیتوں میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ کوئی قانونی ذہن رکھنے والا شخص ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حق طلاق کو کسی پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اس کا فیصلہ حاصل کرنے سے مقید کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاق دینے کا مختار ہے۔ ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں "بیدہ عقدۃ النکاح" کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عقد نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں ہے اور اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے کے لیے وہ قطعاً کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا پابند نہیں ہے۔ دوسری طرف سورۂ نساء کی آیت ۳۴، ۳۵ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اگر بیوی نشوز کا رویہ اختیار کرے تو شوہر کو اسے مطیع بنانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے اور اگر زوجین کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر ان کے جھگڑے کو رفع کرانے کی کوشش کریں۔ اس آیت میں سرے سے طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے

اور کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ اس سعیِ مصالحت کے بغیر شوہر طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ان دو الگ قوانین کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔۔۔۔!!

دراصل اس دفعہ کو یورپ کے نئے مغرب کے انتہائی ناقص قوانین نکاح وطلاق سے اخذ کیا گیا ہے اور نام یہ لیا جا رہا ہے کہ یہ قرآنی قانون طلاق کے اصولوں پر مبنی ہے۔ مغرب ایک مدت دراز تک طلاق کو ایک برائی اور ایک ناجائز کام قرار دینے کا رویہ اختیار کیے ہوئے تھا اور اسلام پر یہ نکتہ چینی کرتا رہا کہ اس میں یہ چیز جائز ہے۔ پھر اپنے اس غلط تخیل کے بدترین نتائج دیکھ لینے کے بعد جب اس نے طلاق کے جواز کی ضرورت محسوس کر لی تو اپنے سابق طرزِ فکر کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے طلاق کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی کہ عورت اور مرد دونوں کو علیحدگی چاہنے کی صورت میں عدالتی فیصلہ کا پابند کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے گندے کپڑے کھلم کھلا عدالتوں میں دھوئے جانے لگے۔ طلاق چاہنے والے چونکہ مجبور تھے کہ ایک عدالت کو اس بات پر مطمئن کریں کہ ان کے لیے علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے، اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات اور زیادہ تر بدچلنی کے اتہامات مجبوراً لگائے کیونکہ اصل وجوہِ طلاق لازماً وہی نہیں ہو سکتے جو کسی عدالت کو مطمئن کر دیں۔ اس طرح ان غلط قوانین طلاق کی بدولت مغربی معاشرہ طلاق کے انتہائی فتنہ انگیز مقدمات سے لبریز ہو گیا۔ اب ہمارے نئے قانون ساز ان اہلِ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارے معاشرے کو فتنہ سے دوچار کرنے کے درپے ہیں۔

آرڈیننس کی اس دفعہ کی مذکورہ بالا شقوں میں حسبِ ذیل امور صریح طور پر قرآن کے خلاف ہیں:

۱۔ اس میں عورت کی عدت یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس دینے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، خواہ طلاق دینے کے مہینے دو مہینے بعد ہی یہ نوٹس دیا گیا ہو، حالانکہ قرآن کی رُو سے طلاق زبان سے نکالتے ہی عدت کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس میں عدت کی مدت غیر حاملہ عورت کے لیے ۹۰ دن قرار دی گئی ہے، حالانکہ قرآن کی رُو سے تین حیض اس کی مدت ہے۔

۳۔ اس میں حاملہ عورت کے عدت کی مدت وضعِ حمل یا ۹۰ دن (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) قرار دی گئی ہے، حالانکہ قرآن کی رُو سے حاملہ کی عدت وضعِ حمل پر ختم ہو جاتی

ہے اور صرف غیر حائضہ عورت کی مدت عدت نوے دن نہیں بلکہ تین مہینے رکھی گئی ہے

۴ ۔ اس میں طلاق کے نفاذ کو یونین کونسل کے چیرمین تک اطلاع پہنچنے اور اس کی سعی مصالحت کرنے پر موقوف کر دیا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں ۔

۵ ۔ اس میں شوہر کے خاندان اور بیوی کے خاندان کے ایک حکم کے ساتھ یونین کونسل کے چیرمین کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے حالانکہ قرآن صرف دونوں خاندانوں کے ایک ایک حکم کے سامنے اختلافات پیش کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ یونین کونسل کا چیرمین لازماً اپنے علاقے کے تمام خاندانوں کا کوئی معتمد علیہ سرپرست نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ آپ کے کسی قانون کی رو سے اس کا مسلمان ہونا تک ضروری نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں خاندان یا ان میں سے کوئی ایک اس بیرونی آدمی کے سامنے اپنے گھر کے جھگڑے رکھنے پسند نہ کریں کسی بیرونی شخص کے سامنے میاں اور بیوی کے بعض ایسے معاملات کھل سکتے ہیں کہ ان رو سے قانون ان کا نام کر دیا جائے تو شاید وہی خواتین جو آج اس طرح کے قانون کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم فرما رہی ہیں ۔ اس وقت وہ چیخ اٹھیں گی جب یہ جھگڑے پنچایتوں میں نے شروع ہوں گے اور بعید نہیں کہ جب طلاق کا نفاذ ایک پنچایت کے اطمینان پر موقوف ہو جائے تو ہمارے ہاں بھی شوہر اپنی بیویوں پر جھوٹے اخلاقی الزامات لگانا شروع کر دیں گے تاکہ پنچایت کو طلاق کے ناگزیر ہونے کا قائل کر سکیں ۔

اس دفعہ کی شق نمبر ۶ ایک اور فتنہ انگیز صورت پیدا کرتی ہے ۔ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ نکاح جو کسی موثر طلاق کے ذریعے سے ختم ہو چکا ہو اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے بغیر اس کے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں مغلظہ نہ ہوں گی اور تین طلاقوں کی تاثیر ایک ہی طلاق کی ہو گی ۔ بلاشبہ یہ چیز بعض مذاہب فقہیہ کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے ۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دی گئی ہوں تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے ۔ اور مطلقہ عورت سے اس کا سابقہ شوہر نہ تو مدت عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے ۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے ۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتقاد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے ائمہ و فقہا کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور

نہیں ہو سکتا۔ اس قانون سازی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے عقیدے اور قانون رائج الوقت کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا۔ اور اس سے ان کی معاشرتی زندگی میں بڑی پیچیدگیاں رُونما ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اگر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کرلے تو اسی کی حنفی بیوی اور اس کا خاندان اس رجوع کو جائز تسلیم نہیں کریں گے، بیوی نہ شوہر سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی۔ کیونکہ قانون اس میں مانع ہوگا اور نہ اپنے آپ کو اس شوہر کے حوالے کر سکے گی۔ کیونکہ اس کے عقیدہ کی رو سے یہ زنا کا ارتکاب ہوگا۔ کیا اس پیچیدگی کو آپ کا کوئی قانون رفع کر سکتا ہے! کیا آپ کے قوانین یہ طاقت رکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد تبدیل کر سکیں؟

دفعہ نمبر ۱۲: اس دفعہ میں لڑکیوں کے لئے عمر نکاح کی مدت ۱۴ سال سے بڑھا کر ۱۶ سال کر دی گئی ہے۔ یعنی ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح اب انڈر وئے قانون نہ ہو سکے گا۔ عمر نکاح مقرر کرنے کا قانون پہلی مرتبہ جب انگریزی دور میں بنایا گیا تھا، اس وقت بھی علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا اور اب اس موقع پر ہم پھر اس پر اعتراض کرنے کے لئے مجبور ہیں کیونکہ یہ قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف اور ان کے مصالح سے متصادم ہے جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں بالفاظ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۴ میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی حیض آنا نہ شروع ہوا ہو ان کے معاملے میں عدت طلاق تین مہینے ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ عدت طلاق کا سوال پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ اس طرح قرآن مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ ہمارے ملک میں بالعموم لڑکیوں کو ۱۳ برس کے لگ بھگ عمر میں حیض آنا شروع ہو جاتا ہے لہٰذا قرآن کی رُو سے اس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ لیکن اس آرڈی ننس کی رو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے۔

قرآن کے ساتھ اس تصادم کے علاوہ یہ سوال قابل غور ہے کہ اس ملک میں کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی رُو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا کی روک تھام ہو سکے؟ محض یہ بات کہ ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی نابالغہ ہو اور اس کے ساتھ مباشرت زنا بالجبر قرار پائے۔ اس خرابی کی روک تھام کے لئے مؤثر ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسی لڑکی اگر اپنی مرضی سے زنا

کرائے تو اس جرم کا قانون کے علم میں آنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس کا نکاح جب بھی کیا جائیگا وہ لازماً قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک لڑکی کے زانیہ ہو جانے کا تو سدباب نہ ہو مگر اس کے نکاح کا سدباب کر دیا جائے۔ اور اگر ایک باپ اپنی ۱۴، ۱۵ برس کی عمر کی لڑکی کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر اس کا نکاح کر دینا چاہے تو نہ کر سکے اور اس کے بگڑنے کے خطرے کو مجبوراً برداشت کرتا رہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغر سنی کی شادی بالعموم ہمت افزائی کی مستحق نہیں ہے اور جن علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبر ہی نہیں ہے۔ عوام میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اس رجحان کو روکا جا سکتا ہے۔ بغیر اس کے کہ قانوناً نکاح کی عمر مقرر کر کے اس سے کم عمر کے نکاح کو سرے سے جرم کر دیا جائے۔

○

یہ ایک حق نصیحت ہے جو ہم اس ملک کی بھلائی کے لیے اس آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے ادا کر رہے ہیں۔ اس کو ادا کر دینے کے بعد ہمارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جن غلطیوں کی نشان دہی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے اُن کی اصلاح کرے۔

- مولانا مفتی محمد حسن، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
- مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری،
  ناظم مرکزی حزب الاحناف پاکستان لاہور
- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور
- مولانا محمد ادریس کاندھلوی،
  شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور
- مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد،
  سابق ممبر بورڈ آف تعلیمات، دستور ساز اسمبلی، پاکستان
- مولانا محمد عطاء اللہ حنیف،
  صدر جماعت اہلحدیث، لاہور
- مولانا سید محمود احمد رضوی،
  نائب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف، پاکستان، لاہور

تو اس کے پیچھے کی تیسرا موت یعنی میت ہے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ہوگا۔ اس کی تدفین ہو یا اُسے جلا دیا جائے یا پھر جیسے پارسیوں کا طریقہ ہے یعنی وہ نعش کو کسی بلند مقام پر رکھ دیتے ہیں تاکہ چیلیں گدھ اور دوسرے پرندے آئیں اور اسے نوچ کر کھا جائیں یا جلا دیا جائے تو یہ تین چیزیں ہیں جن کے لیے پوری دنیا میں کامن گراؤنڈ ایک مسلّمہ اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب وہ تین چیزیں ہیں جن پر اجتماعی زندگی مشتمل ہے اُن کے لیے سماجی نظام یا معاشرتی نظام ہے۔ سماجی کا لفظ ہے اور معاشرہ عربی کا لفظ ہے لیکن سماجی اور معاشرتی نظام ایک ہی چیز ہے۔ دوسرا ہے معاشی نظام اور تیسرا ہے سیاسی نظام۔

یہ جو تین نظام ہیں یہ ہیں گویا سیکولرزم کا دائرہ۔ یہ اس کے تصور کا ایک حصہ ہے اس میں کسی مذہب کی بات کو بطور دلیل استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر کسی ملک میں رہنے والی اکثریت کسی خاص مذہب سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور وہ چاہتی ہے اس مذہبی اکثریت کی بنا پر اس میدان میں بھی اپنے مذہب کے مطابق کوئی قانون بنانا چاہے تو سیکولرزم اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ سیکولرزم میں جو فیصلہ کن چیز ہے وہ کوئی مذہبی دلیل نہیں ہے کہ قرآن میں یہ لکھا ہے۔ حدیث میں یہ لکھا ہے یا تصور کا یہ طریقہ کار ہے یا بائبل اور شاستر میں یہ لکھا ہے۔ یہ دلیل سیکولرزم میں نہیں آئے گا۔ اس کے لیے صرف سوال یہ ہے کہ کسی بھی ملک میں رہنے والوں کی اکثریت کیا ہے وہ کیا چاہتی ہے۔ اب اگر وہ اکثریت کسی مذہبی اصول کے تحت اپنے معاملے کو چلانا چاہے تو یہاں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ اور یہ سیکولرزم سے اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ لیکن کسی بھی مذہب کی کسی بات کو اس میدان میں بطور دلیل استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے کہ تین کا معاملہ جو میں نے کئی مرتبہ یہی تقاریر میں بیان کیا ہے۔ میں نے اسی طرح اس ضمن میں بھی بیان دیا ہے کہ مذہب کا دین سے تعلق ہو اس صرف ان ہی تین چیزوں عبادات، رسومات اور عقائد ہی تک کا تصور محدود ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم دو سو برس تک انگریز کی غلامی میں رہے اور انگریز کی غلامی میں بعض علاقوں میں ہماری آٹھ نسلیں بیت گئیں۔ بعض علاقوں میں ہماری چھ نسلیں بیت گئیں۔ انگریز پہلے آیا تھا تو کہیں بعد میں پہنچ گیا اور اس پورے عرصے کے دوران یہاں تک مذہبی آزادی ہے تو وہ ہمیں حاصل رہی ہے۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح ایک حد کو مانو، کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح سے شادی بیاہ جس طرح سے بھی کرو۔ پیدائش کا معاملہ حقیقہ کرو جیسے چاہو کرو۔ اسی طرح تدفین سے متعلقین ہے۔ اس سلسلے میں کسی پابندی کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔ اب جو ہمارے دین کی باقی چیزیں ہیں وہ چونکہ

سماجی زندگی میں ان پر دو سو برس تک کوئی عمل درآمد نہیں ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہوتے ہوتے اسلام کے بارے میں ہمارا تصور ہی صرف ان تین چیزوں تک محدود ہو گیا ہے۔ چاہے کوئی شخص لاکھ سیکولرزم کے خلاف ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ غیر شعوری طور پر ہمارا جو تصورِ مذہب ہے بڑا محدود ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ اب چاہے لاکھ سمجھایا جائے اور ذہن کو وسعت دی جائے لاکھ دلائل دیے جائیں بات پوری طرح سمجھ میں تو آ جاتی ہے لیکن پھر بھی ہماری ایک تصور جو ذہن میں بُری طرح نقش ہو چکا ہے دوبارہ لوٹ آتا ہے۔ وہ سارا مذہبی تصور انسان کی سوچ کے اوپر تسلط حاصل کر لیتا ہے۔

اس ضمن میں میں نے آپ کو بارہا سمجھایا ہے کہ درحقیقت تین تین چیزیں ہیں۔ اسے بھی اچھی طرح یاد کر لینا چاہیے کہ یہی تین چیزیں مل کر مذہب بناتی ہیں اور وہی تین چیزیں مل کر اجتماعی نظام بناتی ہیں۔ اسلام میں مذہب بھی ہے اور اجتماعی نظام بھی۔ اس میں پہلا عقیدہ ہے توحید ہے، رسالت ہے، آخرت ہے، فرشتوں پر ایمان ہے، جنت اور دوزخ پر ایمان ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے عقائد ہیں۔ اسی طرح اسلام میں عبادات بھی ہیں۔ نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح ہماری رسومات میں بھی نکاح بھی ہے، پھر کسی کے فوت ہو جانے کے ضمن میں بھی اور پیدائش کے ضمن میں بھی ہمارے اپنے طریقے ہیں جو ہمیں قرآن اور سنت سے ملے ہیں۔ پھر یہ کہ ہمارا سماجی نظام ہے۔ اسلام کا ایک معاشی اور سیاسی نظام ہے۔ اسلام تو درحقیقت ان چھ چیزوں کا مجموعہ ہے اور جب یہ چھ چیزیں ملتی ہیں تو دین وجود میں آتا ہے لیکن اگر صرف تین چیزیں پر ہی توجہ مرکوز ہے تو یہ گویا اسلام کا ایک مذہبی تصور وجود میں آ جاتا ہے۔ وہ دین کا تصور ہے۔ یہ جو مذہبی تصور ہے وہ اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ کو ان چھ میں سے ایک چیز کا اضافہ کر کے بات سمجھانا چاہتا ہوں۔

یہ بات بھی جان جائیں کہ یہ کہ وہ چیز درحقیقت سماجی نظام اور معاشرتی عبادات کے درمیان ایک link ہے وہ rites ہے۔ یعنی عائلی قوانین۔ اجتماعیت کی اصل میں جو جڑ بنیاد ہے وہ یہیں سے پڑتی ہے۔ اس سے پہلے عقیدہ ایک انفرادی شے ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ اور عبادات انفرادی چیزیں ہیں۔ اس سے آگے جو رسومات کا معاملہ ہے وہ بھی انفرادی ہے لیکن یہاں آ کر ایک مرد اور عورت کا جو بندھن قائم ہوتا ہے اور ایک خاندان وجود میں آتا ہے تو یہاں سے درحقیقت اجتماعی نظام کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس اجتماعی نظام سے آغاز کی نقطۂ نظر سے کس صورت سے نظم کیا جائے۔ اس کے لیے کیا قوانین ہوں یہ بات ان کا ہے جو لوگ بتاتے ہیں؟ آیا یہ پابندی ہے اور کیا کسی صورت میں بھی یہ بندھن ٹوٹ نہیں سکتا؟ کیا اس میں Seperation کی کوئی

شکل ایسی ہے کہ جس کی رُو سے اس کو جائز اور قانونی طریقے پر ختم کیا جا سکے۔ اگر یہ بندھن کسی مجبوری کے تحت ختم کیا جائے تو پھر اس کے کچھ ضوابط کیا ہوں گے، اس کے قوانین کیا ہوں گے، اس کو نظم دیا جانے کا یہ ہے جس کو ہم ایک لفظ اور ایک اصطلاح میں family laws کہتے ہیں یعنی عائلی قوانین۔ یہ عائلی قوانین تو درحقیقت عائلی نظام کا جزو ہیں، بلکہ یہ کہ اگر ان کو اس سے علیحدہ کریں تو یہ ان عائلی قوانین اور عائلی نظام کے مابین ایک رابطہ (link) کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ جس پر مشرق اور مغرب کی تہذیبی کشمکش شروع ہوئی تو سب سے پہلے مسلمانوں کے اندر بھی اور مسلمانوں کے باہر بھی جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اسی نقطے پر کشمکش شروع ہوئی ہے۔

سب سے پہلے جب ہم مغربی تہذیب سے متاثر ہوئے تو اس کشمکش کا سب سے پہلے ترکی میں آغاز ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکی درحقیقت مشرقی ملک بھی ہے اور مغربی ملک بھی۔ وہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ملک ہے۔ ترکی کا اگرچہ تھوڑا سا حصہ ہے مگر وہ یورپ میں ہے اور ترکی کا جو بڑا حصہ ہے وہ ایشیا میں ہے۔ پھر یہ یورپ اور ایشیا کا سنگم ہے۔ یہاں پر مشرقی اور مغربی تہذیب کا ٹکراؤ شروع ہوا اور اس میں مصطفیٰ کمال پاشا ایک اعتبار سے مسلمانوں کے ہیرو بن گئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا یہ کارنامہ بہت بڑا ہے کہ اگر وہ اس وقت میدان میں نہ آتے تو ترکی کا نام و نشان مٹ جاتا۔ ترکوں نے یورپ پر کئی صدیوں تک حکومت کی ہے۔ یورپ کا جتنا بڑا علاقہ سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا ہے یہ اس کا ردعمل تھا جیسے ردعمل کہ بھارت میں مسلمانوں کے خلاف ہے کہ انہوں نے ہزار سال حکومت کی۔ اسی طرح کا شدید ردعمل پورے یورپ میں ترکوں کے خلاف تھا اور ترکی کا تو دنیا سے نام و نشان مٹا دیا جاتا مگر اسی وقت مصطفیٰ کمال پاشا سامنے آئے۔ ان کی ایک صلاحیت تھی یعنی جنگی صلاحیت، جنگی تدبر۔ وہ اس کو بروئے کار لائے اور انہوں نے کم از کم یہ کیا کہ سلطنت عثمانیہ تو ختم ہو گئی لیکن یہ ملک باقی رہا۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی جنگی صلاحیت کو بروئے کار لا کر یہ کارنامہ انجام دیا۔ عربوں نے بغاوت کی تھی اور ترکوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا۔ چنانچہ اس کا ردعمل ایک شخص پر ہوا اور اس کے جو نتائج تھے وہ بہت دور تک پہنچے۔ میں نے پچھلی مرتبہ بھی عرض کیا تھا کہ مصطفیٰ کمال کی شخصیت بہت متنازعہ ہے۔ ہمیں ترکوں سے محبت ہے، ترک قوم سے ہم جس قدر چاہیں محبت کا اظہار کریں، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ترکوں کو بھی برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے شدید لگاؤ اور محبت ہے لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ ہم مصطفیٰ کمال کی شخصیت کے لیے بھی اسی طرح ادب، احترام اور محبت کے جذبات کا اظہار کریں۔ جو مہمان آئیں اُن کے لیے آپ جس طرح بھی چاہتے ہیں اُن کا سواگت کرتے ہیں، اُن کا استقبال کرتے ہیں، اُن کی خاطرداری کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ سابقہ تاریخ کے اندر جو شخصیات گزری ہیں ہم اُن کے لیے بھی اسی طرح کے جذبۂ عقیدت کا اظہار کریں۔ اس لیے کہ جو کچھ مصطفیٰ کمال پاشا نے بعد میں کیا تھا خواہ عربوں کے طرزِ عمل کا نتیجہ تھا، اس کے نتیجے میں ترکی میں عربی زبان عربی ثقافت سے ایک دشمنی پیدا ہوئی۔ نماز عربی زبان میں پڑھنی حرام کر دی گئی، اذان عربی زبان میں دینا منع کر دی گئی۔ اب بھی وہاں یہی حال ہے۔ شاید آپ نے اخبار میں یہ بات پڑھی ہو کہ بعض لڑکیوں کو صرف اس وجہ سے یونیورسٹیوں سے نکال دیا گیا کہ وہ برقعہ اوڑھنے پر مصر تھیں اور وہ چہرے سے نقاب ہٹانے پر تیار نہیں تھیں۔ بہرحال یہ جو مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش ہے اس کا سب سے پہلا میدان ترکی بنا اور وہاں اسلامی تہذیب و اسلامی معاشرت وغیرہ کو شہروں سے تو بالکل ختم کر دیا گیا، دیہات میں اثرات باقی ہیں جن میں یہ کشمکش ہے۔ اب وہاں آگے بھی چل رہی ہے، پھیلتی چلی گئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہمارے ہاں جو تعلیم یافتہ لوگ مغربی تہذیب، مغربی فکر اور مغربی انداز غور و فکر سے متاثر ہوئے، ان نظریات سے انہوں نے اپنے ذہنوں کو آباد کیا۔ مغربی تہذیب کے بارے میں اقبال نے کہا ہے:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

بہرحال ان کے اندر جو نظر کو خیرہ کر دینے والی چمک دمک تھی اس سے ہمارے ہاں کے لوگ بھی متاثر ہوئے۔ یہ جو کشمکش ہے اس کا سب سے پہلا جو میدان بنتا ہے وہ یہی عائلی قانون بنتا ہے۔ بھارت میں ظاہر بات ہے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی وہ طبقہ موجود ہے جس کے بارے میں میں بعد میں عرض کروں گا کہ ہمارے ہاں کس طرح زور و شور کے ساتھ موجود ہے۔ جو کچھ عائلی قوانین کے سلسلے میں ہمارے یہاں ہوا ہے وہ اس کا سب سے بڑا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مسلمانوں کا وہ مغرب پرست طبقہ جو ہے وہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ہے۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ اسلامی عائلی قوانین کے اوپر کوئی ضرب لگائی جائے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ تحریکِ پاکستان چلی ہی اس لیے تھی کہ اندیشہ یہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کا تشخص ختم کر دیں گے، ان کو اپنے اندر ضم کر لیں گے، ان کی تہذیب، ثقافت، تمدن سب کچھ ختم کر دیں گے، ان کی زبان ختم کر دی جائے گی، معاشی طور پر ان کو پامال کیا جائے گا اور سیاسی طور پر دبا دیا جائے گا۔ درحقیقت یہی اندیشے اور یہی خطرات تھے جس کی بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ کیا گیا۔ چونکہ ایک عام آدمی بھی ان خطرات کو محسوس کر رہا تھا، تو جب مسلم لیگ نے اس کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کی تو وہ فوراً مسلم لیگ کی طرف

اور مذہب کے جھنڈے تلے مسلمان متحد ہو گئے اور تحریک پاکستان [illegible] کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ظاہر ہے کہ وہ صورتحال ہندوستان میں [illegible] ان کی قوتوں سے بد سے بدتر ہے۔ ہندوؤں کو تو زیادہ [illegible] [illegible] پاکستان [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔ [illegible] مسلمانوں سے [illegible] [illegible] جاتے ہیں۔

اردو زبان کی حد تک تو میں سمجھتا ہوں۔ [illegible] اس لیے کہ مجھے پتہ لگا ہے علی گڑھ یونیورسٹی کے [illegible] طلباء کی تربیت [illegible] [illegible] سال [illegible] تربیت [illegible] [illegible] اردو نہیں پڑھ سکتے [illegible] اردو پڑھنے [illegible] اسکولوں میں بھی صرف ہندی ہی پڑھائی گئی تو ظاہر ہے [illegible] اردو [illegible] [illegible] وہ تو ہندوؤں کی بھی بول چال کی زبان ہے [illegible] اس میں کچھ ہندی و سنسکرت کے الفاظ شامل ہو گئے ہیں [illegible] ہے وہ تو اردو ہی ہے [illegible] اردو میں [illegible] دیکھے گئے ہیں تو عام آدمی [illegible] زبان تو زندہ ہے [illegible] کی بول چال میں ہے اور یا کچھ محسوس [illegible] اس زبان کا ہندوستان سے تقریباً صفایا ہو چکا ہے [illegible] سے اردو اخبارات [illegible] حیثیت نہیں [illegible] تامل، گجراتی اور مختلف زبانوں میں [illegible] چھپتے ہیں اگر آپ ان کی اشاعت لو اور پھر ان کے مقابلے میں [illegible] اردو میں چھپنے والے اخبارات اور رسائل [illegible] تو اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی تناسب یا کوئی نسبت [illegible] تہذیب و تمدن [illegible] زبان کی حد تک میں سمجھتا ہوں کہ [illegible] اردو کو [illegible] [illegible] سنسکرت [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] باقاعدگی سے بھی تقریباً ختم ہو جائے گی۔

اس کے بعد سب سے بڑا حملہ ہوا ہے وہ ان عائلی قوانین پر ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے دستور نے اپنے آپ کو ایک سیکولر نظام کی حیثیت سے [illegible] ہے اور مذہب کے اندر کوئی [illegible] [illegible] لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا مذہب کی پہلی بات تو عقیدہ ہے اس پر واقعتاً ابھی تک کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ مذہب کی دوسری چیز عبادت ہے عبادات میں بھی [illegible] مداخلت نہیں کی۔ مذہب کی جو تیسری بات ہے [illegible] [illegible] [illegible] مداخلت [illegible] [illegible] [illegible] عائلی قوانین [illegible] [illegible] جہاں سے [illegible] شادی بیاہ کے قوانین اور طلاق کا قانون [illegible] مختلف قوانین [illegible] عائلی قانون کہتے ہیں اگر [illegible] اسلام [illegible] سیاسی نظام [illegible] کوئی تعلق [illegible] [illegible] قانون فوجداری [illegible] دیوانی [illegible] کوئی تعلق نہیں [illegible] سیکولر [illegible] اسلام [illegible] سیکولر اصول [illegible] ظاہر بات ہے [illegible] [illegible] عائلی قوانین میں [illegible] [illegible] حیثیت [illegible] صرف ایک [illegible] [illegible] مسلمانوں [illegible] [illegible] جدید اصطلاحات [illegible] [illegible] ایسا بھی ہو کرتا ہے کہ کوئی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مسلمانوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] طلاق [illegible]

مذہبی آزادی تو بدترین سیکولر نظام اور امریکہ میں بھی ہے

میرا نان نفقہ بیرسٹر سابق شوہر کے ذمے ہونا چاہیے تھا اور مجھے اس سے دلوایا جائے۔ بڑی عجیب بات ہے نامعلوم اس کی عدالت میں [illegible] کیلئے کوئی سازش کی گئی ہو یا نہ ہو مقدمہ چلا اور چلتے چلتے سپریم کورٹ میں پہنچا۔ سپریم کورٹ نے [illegible] ہے کہ جو کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو پھر یہ کہ جب تک اس کی شادی ثانی نہ ہو جائے اس کا نان نفقہ اسی کے ذمے رہے گا۔ اب شریعت کا حکم اس میں کیا ہے؟ مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو عدت کے دوران اس کا نان نفقہ اس کے ذمے ہے اس لیے کہ طلاق رجعی ہوتی ہے عدت کے دوران اگر اس وقت وہ ایک ہی طلاق دی گئی ہے تو اس کو رجوع کرنے کا حق ہے اور وہ رجوع کرسکتا ہے۔ چاہے بیوی کی اس میں رضامندی ہو یا نہ ہو۔ دو طلاقیں دی ہوں تب بھی رجوع کرسکتا ہے۔ تین بار طلاق مغلظہ ہو گئی ہو تو رجوع نہیں کرسکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی بہرحال عدت کے تین مہینے ہیں، ان کے لیے تو اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمے ہے [illegible] نہیں جائے گا [illegible] نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ حاملہ ہے تو چونکہ حاملہ کی عدت ہوتی ہے وضع حمل۔ اگر ایک مہینے کا حمل تھا تو آٹھ مہینے باقی رہیں گے۔ لہٰذا اب اس کی عدت تین مہینے نہیں بلکہ آٹھ مہینے ہوگی۔ وضع حمل تک دوران اس کی پوری ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔ پھر حمل کے وضع ہو جانے کے بعد اور بچے کی پیدائش کے بعد اگر شوہر یہ چاہے کہ وہ اپنی بیوی ہی سے اس کو دودھ پلوائے تو اس دوران رضاعت بھی مطلقہ بیوی کا نان نفقہ اس کے سابق شوہر کے ذمے رہے گا لیکن اگر آپس میں طے ہو جائے کہ نہیں، وہ کسی اور سے دودھ پلوائے گا تو پھر اس وقت وضع حمل کے بعد سابقہ شوہر کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ہے شریعت کا ضابطہ اور قانون۔ اس میں ایک یہ بھی [illegible] انداز میں ہوتی ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس میں شریعت کے کسی حکم کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کو زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شریعت کے ایک حکم میں اضافہ کیا گیا ہے۔ مگر شریعت کے ڈھانچے کے اندر بظاہر کوئی رخنہ نہیں ڈالا گیا لیکن اندرونی صورت یہ ہے کہ اگر شریعت میں اس ترمیم اور اضافے کو ہندوستان کے مسلمان گوارا کرلیں تو پھر کوئی اگلا قدم اٹھے گا اور شریعت کا یہ جو ڈھانچہ ہے یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مابین جو تعلق ہے یعنی عائلی قوانین اگر اسی طرح سے ہم اس کو بدل دیں تو پھر مسلمانوں کا جو تشخص ہے وہ بالکل ختم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ ہے اصل میں پس منظر اور اہمیت۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ مسئلہ صرف ہندوستان کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے سب سے پہلے اسلام کا جو قانون فوجداری تھا اسے ساقط کیا۔ اسلام کا قانون دیوانی ختم کیا۔ وہاں جب اس نے اسلام کے عائلی قوانین بھی ختم کرکے سوئس قانون کو اختیار کیا تو یورپ کے اخبارات نے یہ طنز کیا تھا یہ فقرہ چست کیا تھا کہ مسلمان عجب قوم ہے۔ کہتے تو یہ ہیں کہ ہمارا قانون سب سے حق ہے۔ ہمارا نظام سب سے عمدہ اور ہماری شریعت سب سے اچھی ہے لیکن ان کا حال یہ ہے کہ یہ عائلی قوانین کے لیے بھی ہمارے سامنے جھولی پسارے کھڑے ہیں۔ یہ ہے ان کا طرز عمل مگر قول یہ ہے کہ ہماری شریعت سب سے اعلیٰ اور ہمارا دین سب سے کامل ہے اور ہمارے قانون سے بہتر کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ کوشش بعض دوسرے مسلم ممالک میں بھی چلی ہے لیکن ہندوستان کے جو مسلمان ہیں خصوصی طور پر اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ ہم ذرا تقابل کریں۔ ہماری دینی حمیت اور غیرت کا کیا عالم ہے اور ہندوستان کے دبے ہوئے اور پسے ہوئے مسلمان جنہیں گویا ہم نے ہندوستان کے پاس یرغمال بنا رکھا ہے۔ ہم جو کچھ یہاں کر رہے ہیں ان مسلمانوں کی قیمت پر کر رہے ہیں جنہیں ہم نے ہندوؤں کے حوالے کرکے یہ آزادی حاصل کی ہے۔ یہ سب کچھ اس قربانی کے طفیل ہے۔ ہندوستان میں رہنے والے کے اندر وہاں کا مسلمان آج بھی بیدار ہے۔ یہ خبر تو میرے یہاں روانہ ہونے سے پہلے پاکستانی اخبارات میں شائع ہوئی تھی جس کا [illegible] بھی کیا تھا کہ کلکتہ میں مسلمانوں نے بہت بڑی ہڑتال کی [illegible] ایک دن میں پچاس ہزار مسلمان گرفتار ہوئے تھے۔ بعد میں مجھے یہاں آکر معلوم ہوا ہے کہ وہاں دس دس لاکھ کے جلسے ہوئے ہیں [illegible] پولیس نے ان کا [illegible] یا کہیں بھی اس کی [illegible] جب یہاں پاکستان میں خبر آئی تھی تو مجھے یقین نہیں آیا تھا [illegible] چار لاکھ کے جلسے منعقد ہو جائیں [illegible] ہر شخص سے متعلق ہے۔ آخر کتنے لوگ طلاق دیتے ہیں اور کتنے لوگوں سے مقدمات چلتے ہیں۔ اگرچہ یہ ہر شخص کے [illegible] والی بات نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اتنے بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے۔ پہلے تو میں ان خبروں کو [illegible] سمجھ رہا تھا لیکن [illegible] نے وہاں سیرت النبی کے موقع پر اپنی آنکھوں سے [illegible] جلسہ دیکھا تو پھر میں نے یقین کرلیا کہ [illegible] یہ مبالغے والی بات نہیں تھی۔

[illegible] کہ ان جلسوں کے منعقد ہونے کی اخبارات میں ان کا تذکرہ نہیں [illegible] بلیک آؤٹ [illegible] اور یہ بھی بغیر کسی سازش کے ممکن نہیں ہے۔ ہندوستان میں کتنے اخبارات ہیں کتنی مختلف زبانوں

اسلام کے غلبے کا راستہ الیکشن کا راستہ اختیار کیا گیا

ہیں نکلتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہاں چھوٹا سا جلسہ بھی ہو جائے گا تو اُس کی خبر جائے گی۔ آزاد ملک ہے آزاد پریس ہے کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جو چاہو سو لکھو لیکن یہ اتنے ناموں کے جلسوں کا بائیکاٹ ایسی چیز ہے جو بغیر کسی متفقہ فیصلے اور سازش کے ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس پر مسلمانوں نے اگلا قدم اُٹھایا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جلسے کے بعد جلوس ہوتا ہے۔ ایجی ٹیشن ہوتا ہے۔ ہڑتال ہوتی ہے۔ تو اس کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ کلکتہ میں ہڑتال ہوئی اور ایک دن میں چھ ہزار افراد گرفتار ہوئے۔ اسی طرح بمبئی میں بھی مسلمانوں نے بہت بڑا مظاہرہ کیا اور بھارت کے ایک انگریزی اخبار نے اُس کی تصویر پہلے صفحہ پر اس کیپشن کے ساتھ شائع کی۔

"بمبئی میں مسلمانوں کا سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف بہت بڑا مظاہرہ"

توجب وہاں اتنا بڑا مظاہرہ ہوا ہے تب خبریں آنی شروع ہوئی ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے پٹنہ میں بھی بہت بڑا جلوس نکالا گیا جو غلطی سے کسی ایسے علاقے میں بھی داخل ہو گیا جو ملٹری نوعیت کا علاقہ تھا جہاں ہر کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی مگر جلوس والوں کو کیا معلوم تھی چنانچہ وہ وہاں داخل ہو گئے اور اُن پر وارننگ دیئے بغیر فائرنگ کی گئی جس کے نتیجے میں سترہ افراد موقع پر زخمی ہو گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اُن زخمیوں میں سے بعد میں کوئی فوت ہوا یا نہیں۔ تو یہ تو کیفیت ہے اور جو اس سے بھی زیادہ میرے نزدیک خوش آئند بات ہے وہ یہ کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام تنظیمیں یکجا ہو چکی ہیں۔ اُن کی مجلس مشاورت پہلے سے بھی زیادہ قائم ہے۔ جس میں جماعت اسلامی ہے، جمعیت علماء ہے اور دوسری تنظیمیں ہیں، وہ سب اُس کے اندر جمع ہو جاتی ہیں اور جو ملی نوعیت کے مسائل ہوتے ہیں انھیں وہ جماعتی مسئلہ نہیں بناتے بلکہ وہ ایک اجتماعی پلیٹ فارم سے اپنی آواز اٹھاتے ہیں اور اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں۔ یہ مجلس مشاورت تو وہاں پہلے سے قائم تھی۔ اس مسلم مجلس مشاورت نے ایک "مسلم پرسنل لا بورڈ" بنایا، اس بورڈ میں بھی تمام جماعتوں کے نمائندے ہیں اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اتحاد ہے جو تحریک پاکستان کے بعد آج تک نہیں ہوا تھا جتنا اب ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ شیعہ اور قادیانی بھی اس میں شریک ہیں۔ باقی اہل سنت کی شرکت تو لازمی ہے ہی۔ اس ایشو پر جو اتنا بڑا اتحاد ہو گیا ہے وہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانان ہند نے اپنی دینی حمیت اور حرارت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ خاموش رہ گئے ہوتے تو پھر دشمن کو کافی حوصلہ ہوتا۔ وہ ایک کے بعد دوسرا قدم اُٹھاتا۔ لیکن اب ایسا ہے کہ اس واقعے کے بعد کانگرس بھی ٹھٹھر کر کھڑی ہو گئی ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ سپریم کورٹ کا فیصلہ ایک شاہ بانو کے متعلق میں پھنسا ہوا ہے۔ شروع شروع میں تو راجیو گاندھی نے کہہ دیا کہ حکومت کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ کورٹ کا معاملہ ہے لیکن جب مسلمانوں نے اپنے اس مظاہرے کے ذریعے ثابت کر دیا کہ وہ اس مسئلے پر مرنے مارنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ یہی تو ان کے دین کا محفوظ حصہ ہے۔ یہی مذہب والا حصہ ہے جس کی رُو سے وہاں آزادی حاصل ہے۔ باقی دین کا وہ حصہ جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہے اُس کا تو وہاں کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اب اس حصے کے اوپر کوئی آنچ آ جائے تو یہ گوارہ نہیں کریں گے۔ جب یہ صورتحال پیدا ہوئی ہے تو وہاں کی حکمران جماعت نے عجیب صورتحال پیدا کی ہے۔ ایک مسلمان نامی وزیر تھا عارف محمد خان۔ (یہ اصل میں وہی جدیدیت جو ہے جس طرح ہمارے ہاں جدید دانشور قسم کے لوگ ہیں جو مذہب کو سمجھتے ہیں کہ یہ ایک دقیانوسی شے ہے اور اس کو تو اب بہت پیچھے چھوڑ دینا چاہیے اور زمانے کی رفتار کا ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ مردوں اور عورتوں کو شانہ بشانہ چلنا چاہیے۔) اس ذہن کا حامل شخص عارف محمد خان ہے اُس نے پارلیمنٹ میں ایک بڑی زبردست تقریر کی۔ اب آپ غور فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی بات تھی کہ ایک مسلمان اُس فیصلے کے حق میں تقریر کر رہا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے اپنے عائلی قوانین کے حق میں جو مظاہرہ ہو رہا ہے اُس کے خلاف تقریر کر رہا ہے۔ عارف محمد خان جو کہ ایک مسلمان ہے یہ گویا وہاں ایک بہت بڑی دلیل کے طور پر استعمال ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی متفقہ مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمانوں میں بھی اس میں جو جھگڑے ہیں بہت مولوی ہیں انھوں نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دے دی ہے۔ جو روشن خیال اور پڑھے لکھے مسلمان ہیں اُن کا یہ خیال ہرگز نہیں ہے لیکن اس نظام کے تحت میں وہاں جو حالت بدلی ہے تو کانگرس ہی کے ایک اور وزیر ہیں جو سٹیٹ میں وزیر ہیں ضیا الرحمن انصاری صاحب انھوں نے جو تقریر کی اس میں مسلمانوں کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے۔ اب وہ بھی حکومت ہے یعنی کانگرس آئی (اندرا گروپ) اُس کے یہ دو وزیر جو ارکان ہیں اُن کے متضاد بیانات پارلیمنٹ میں آ چکے ہیں اور اب یہ بھی ہے کہ حکومت ہند اس مسئلے پر دانشمندی کا ثبوت دے گی۔ غلام محمد بنات والا صاحب جو وہاں مسلم لیگ کے صدر ہیں وہ بھی پارلیمنٹ میں ایک بل لے آئے ہیں جو اُس سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف ہے۔ اس بل کو تو حکمران پارٹی کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ اس کا تو مطلب صاف یہ

کا کہ حکمران پارٹی شکست کھا گئی۔ پھر تو وہ منسٹری ٹوٹ جانی چاہیئے۔ اگر اپوزیشن کی طرف سے ہاؤس میں پیش کردہ کوئی بل پاس ہو جائے تو اس کا صاف مطلب یہ کہ "حکومت ختم"۔ اُن کی کوشش تو یہ ہے کہ وہ بل واپس لے لیں۔ ضیاالرحمٰن انصاری صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ نجات والا صاحب یہ بل واپس لے لیں پھر ہم خود ایک بل لے کر آئیں گے جس میں کہ ہم مسلمانوں کو اُن کے عائلی قوانین کے بارے میں کامل تحفظ فراہم کرنے کے لیے قانون بنا دیں گے تاکہ آئندہ کوئی بھی سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ یا ہندوستان میں کوئی بھی دوسری طاقتیں جو ہیں وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کے بارے میں کوئی (مداخلت) یا مسئلہ نہ کریں۔ یہ اُن کی اپیل ذاتی طور پر کی ہے۔ لیکن جب میں ہندوستان سے واپس آیا ہوں تو دہلی میں اُس وقت بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس ہو رہا تھا اور وہاں بڑی بڑی شخصیات جمع تھیں میرے لیے یہ بات خوشی کی تھی کہ ایک وقت ان حضرات سے ملاقات ہو گئی ورنہ مجھے تو لکھنؤ کا ویزا بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اور میں مولانا علی میاں سے بھی ملاقات کی حسرت دل میں لیے واپس چلا آیا۔ مگر وہ خود بورڈ کے اجلاس کی وجہ سے دہلی آ گئے۔ اس بہانے دوسرے حضرات کے علاوہ اُن سے بھی ملاقات ہو گئی لیکن وہ اصل میں اس وقت اس کوشش میں ہیں کہ راجیو گاندھی ذاتی طور پر یہ یقین دہانی کرائے کہ وہ بل لے آئے گا۔ حکومت کی طرف سے یہ ذاتی یقین دہانی ہو جائے کہ وہ اس معاملے میں مسلمانوں کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے تو اُن کا حکومت کی طرف سے ایک بل لا کر ایسا قانون بنا دے گا کہ آئندہ کے لیے عدالتوں کے ہاتھ باندھ جائیں اور وہ عدالتیں مسلمانوں کے متعلق مقدمات میں اسلامی شریعت کے خلاف کوئی فیصلہ نہ دے سکیں۔ اگر راجیو گاندھی سے یہ یقین دہانی کروا لی تو پھر یہ صورتحال بہت اچھے طریقے سے ختم ہو جائے گی اور ہمارے لیے اس پوری صورتحال کے نتیجے میں خوش آئند بات یہ ہوئی کہ مسلمانانِ ہند نے دینی حمیت کا ایک ثبوت فراہم کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ چاہے ۴۰ برس گزر چکے ہیں اور چاہے اُن کے تشخص کے اوپر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں چاہے اُن کی اردو زبان کو ملیس میٹ کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مذہب کے ساتھ اُن کی یہ محبت اور عقیدت اس قدر حاضر و ناظر ہے کہ وہ اس میں کسی بھی حکومتی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھی بات ہوئی کہ انہوں نے اپنی بیداری کا ثبوت دیا ہے۔

اب آیئے اس مسئلے کا مقابل اپنے ملک یعنی مملکتِ خداداد سے کریں کہ جس کے لیے لاکھوں جانیں دی گئیں۔ جس کے لیے نہ جانے کتنی عصمتیں قربان کی گئیں۔ جس کے لیے مسلمانانِ ہند نے مشترکہ جدوجہد کی تھی۔ جس کے لیے جو اقلیتی صوبے تھے انہوں نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر کوشش کی اور جس کے لیے انہوں نے خود ہندوؤں کی غلامی گوارہ کی ہے کہ یہ سارا انتظام جو انہوں نے

پاکستان سے بنا ہے وہ ہم سے لے لیں۔ انہوں نے بہر حال اسلام کی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اگر ایسا خطہ وجود میں آ جائے جہاں واقعتاً اسلامی نظام قائم ہو جہاں واقعتاً ہم اسلام کی برکات کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ جیسا کہ قائداعظم نے کہا تھا کہ ہم پاکستان کے ذریعے دورِ حاضر میں اسلام کے اصول اخوت و مساوات کی ایک مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ لائٹ ہاؤس بن جائے۔ یہ روشنی کا مینار بن جائے۔ یہاں سے لوگوں کو معلوم ہو کہ اسلام کیا ہے۔ اسلامی سیاست کیا ہے۔ اسلامی معیشت کیا ہے اس کا معاشرتی نظام کیا ہے۔ اسلام کا فوجداری اور دیوانی قانون کیا ہے۔ اسلام کا عائلی قانون کیا ہے اور اس میں کیا کیا برکات ہیں۔ ان باتوں کو تو چھوڑیے صرف ذرا یہی دیکھ لیجیے کہ یہاں عائلی قوانین کے بارے میں کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش ہوئی جس کو کہ ہماری نگاہوں میں مغربی تہذیب سے نبرد آزما ہونا تھا وہ

غلام احمد قادیانی نے بھی اسلام کی طرف سے چند مناظرے عیسائیوں کے خلاف لڑکر ہیرو کی حیثیت حاصل کرلی۔ مگر بعد میں نبوت کے دعوے شروع کر دیئے۔

اُسے تقلید کرنا چاہتے تھے مگر دوسری طرف مذہب ان کے پاؤں میں بیڑی ڈالتا تھا خاص طور پر یہ سنتِ رسول ہے وہ اُن کے لیے مصیبت کا باعث تھی۔ یہ جان لیجیے کہ مغرب پرستی اور انکارِ حدیث یہ دونوں فتنے درحقیقت ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اگر آپ مغربی تہذیب کی نقالی کرنا چاہتے ہیں تو حدیث اور سنتِ رسول آپ کو پکڑے گی۔ لہٰذا اس بندھن سے آزاد ہونے کے لیے اُس شاخ ہی کو کاٹو جس پر یہ بلبل چہکتا ہے۔ حدیث کی نفی کرو۔ پھر قرآن مجید کو موم کی ناک بنایا جا سکتا ہے۔ قرآن کی نئی سے نئی تعبیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ عربی زبان کی لغت کے دفتر کھول کر کہ اس کا یہ مطلب ہے وہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کو تو موم کی ناک کی طرح جدھر چاہیں گے موڑ لیں گے۔ یہ حدیث ہے اور سنتِ رسول ہے جو ہمارے پاؤں میں بیڑیاں ڈالتی ہے ہمیں شکنجے کے اندر کس دیتی ہے۔ تو جس طرح بھی ممکن ہو ہم اس کو نیچے آپ سے آزاد کرائیں۔ یہ فتنہ ہمارے ہاں پروان چڑھا۔ اس فتنے کو ہمارے ہاں غلام احمد پرویز نے سب سے زیادہ مواد کی غذا فراہم کی اُس کے لیے اس نے مسلسل جو پچاس سال اُس کا بھی کوئی علم نہ اُس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ ۱۹۵۵ء کے اگست کے مہینے میں پاکستان میں عائلی کمیشن قائم کیا گیا کہ اسلامی عائلی قوانین پر نظرِ ثانی ہو۔ دیکھیں کہ اگر اُس میں کوئی ظلم کا پہلو ہے تو اُس ظلم کو ختم کیا جائے اور ترقی کی راہ میں کوئی

رکاوٹ ہے تو اُن رکاوٹوں کو دُور کیا جائے تاکہ ہمارا معاشرہ بھی مغربی تمدن سے ماثل ہو سکے۔ یعنی خود کمیشن کا قائم کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ قدیم اور جدید کے اندر کوئی کشمکش یا تصادم محسوس ہو رہا تھا جس کے بارے میں گمان ہو رہا تھا کہ شریعت اسلامی شاید اس کی راہ میں حائل ہو رہی ہے لیکن ذرا غور فرمایئے کہ اس کمیشن کے لیے جو افراد منتخب کیے گئے وہ کون تھے؟ خلیفہ عبدالحکیم صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب، مسٹر عنایت الرحمٰن صاحب مجھے یاد نہیں کہ یہ صاحب کون تھے، بیگم شاہنواز صاحبہ، بیگم انور جی احمد، بیگم شمس النہار محمود۔ ان سات افراد پر کمیشن بنا تھا لیکن پھر کچھ عرصہ بعد جسٹس شجاع الدین کا انتقال ہو گیا تو میاں عبدالرشید کو اُن کی جگہ چیئرمین بنایا گیا۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ سات میں سے تین خواتین تھیں اور چار مرد تھے اور ایک ان میں عالم دین تھے مولانا احتشام الحق تھانوی۔ یعنی مردوں اور عورتوں میں ایسا کوئی بھی نہ تھا جو علم دین کی سند لیے ہوئے ہو کسی نے اس کا مطالعہ کیا ہو۔ لیکن ذرا اس کا تقابل کیجیے میں سوچ رہا ہوں کہ آج حالات کا رُخ کدھر ہے ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ ۱۹۵۵ء کے اس کمیشن کا آپ ذرا ۱۹۸۵ء کے کمیشن سے تقابل کریں جو اس حکومت نے بنایا ہے۔ اس میں خواتین ہی خواتین ہیں۔ وہاں سات میں سے تین تھیں مگر یہاں ساری خواتین ہیں مردوں میں سے ... صرف ایک مرد ... اسحاق صاحب ایڈووکیٹ ہیں ... عالم دین کا اس کمیشن میں صرف ایک ... تھا مگر یہاں ... حالات اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ جو اقبال نے ... کہا تھا کہ:

> لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
> ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
> یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
> پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ہم نے تو ترقی کی راہ اختیار کی تھی اور ۱۹۵۵ء میں اس کا جو ... تھانوی ... ۱۹۸۵ء میں اس کے لیے ... کمیشن قائم ہوا ہے وہ اس سے بھی دس قدم آگے ہے کہ وہاں ایک عالم دین تو تھا مگر یہاں ایک بھی نہیں ہے۔ ... اس سے ... کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم ... کی طرف جا رہے ہیں یا ... سے دُور جا رہے ہیں؟ بہرحال یہ کمیشن قائم ہوا ... رپورٹ ... ۱۹۵۵ء ... گزٹ میں شائع ہوئی ... وہ باتیں ... عالم دین کی طرف سے ... کمیشن تو اس کا ... ہیں ... نہیں ... کمیشن ... یا ۱۹۵۶ء کے ... جون ... گزٹ میں اس کی رپورٹ شائع ہوئی اور اس ساری رپورٹ سے عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ انہوں نے اس رپورٹ پر اپنی طرف سے مفصل نوٹ لکھ دیا۔ باقی ... ہی ... یہ تھی ... پھر صدر ایوب صاحب نے ... مارشل لاء کی ... حیثیت سے ۱۹۶۱ء یا ۱۹۶۲ء میں ... ان فیصلوں ... عائلی قوانین کی ... ہو گیا ... آج تک اس ... میں ... مارشل لاء ... کی ... ہے ... حق ... کی ترمیم ... کے ... علماء ... کو ... انہیں ان پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ہے مثلاً یہ عائلی قوانین ... اس کی ... ذیل ...

کا اتفاق نہیں ہے ... دو چیزیں ... بعض ... درحقیقت ... نظام اور مذہب ... چیزوں کے درمیان ... بہترین سیکولر نظام میں بھی آزادی ہوتی ہے ... آزادی آج ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے ... نماز پڑھو ... کوئی اعتراض نہیں ہے ... تو ... مذہبی ... ہے وہ درحقیقت ... مسلمان معاشی طور پر بہتر ہوتے ہیں ... اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان معاشی اعتبار سے ... ہو جائے گا تو وہاں قتل عام ہوتا ہے ... معاشی ... سے بہتر ہو رہا تھا تب یہ ... تھا ... سبب تو یہ ہے ورنہ مذہبی اعتبار سے تو انگریز بھی مسلمانوں کے خلاف نہ تھے۔ وہ تو کہتا تھا تم ... دو نمازیں پڑھو تھے کیا ہے ... سے ... میرے اقتدار کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کرو۔ تو ... نمازیں ... سے میرا کیا بگڑتا ہے۔ شراب پینے پر میں تمہیں مجبور نہیں کرتا ... پینا چاہو ... نہیں چاہتے تو ... کوئی دخل ... نہیں ہونی چاہیے۔

... معاملہ سیکولر نظام کا ہے ... اس ... کے اندر اگر کوئی ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والا نہ ہو تو ... نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے ... کوئی ... نہیں ہے ... بہترین سیکولر نظام میں بھی حاصل ہے ... امریکہ میں بھی حاصل ہے۔ آپ کو معلوم ہے ... امریکہ میں ... ایک ... شادیاں بھی کی ... مسلمانوں ... سے ... ہے ...

ہندوستان میں سیرت النبی کے جلسہ میں چار لاکھ افراد کا مجمع تھا

عیسائیت آج صرف سولی کے واقعہ سے زندہ ہے

رکاوٹ ہے تو ان رکاوٹوں کو دُور کیا جائے تاکہ ہمارا معاشرہ بھی مغربی تمدن سے مماثل ہو سکے۔ یعنی خود کمیشن کا قائم کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ قدیم اور جدید کے اندر کوئی کشمکش یا تصادم محسوس ہو رہا تھا جس کے بارے میں گمان ہو رہا تھا کہ شریعت اسلامی شاید اس کی راہ میں حائل ہو رہی ہے لیکن ذرا غور فرمائیے کہ اس کمیشن کے لیے جو افراد منتخب کیے گئے وہ کون تھے؟ خلیفہ عبدالحکیم صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب، مسٹر عنایت الرحمن صاحب مجھے یاد نہیں کہ یہ صاحب کون تھے، بیگم شاہنواز صاحبہ، بیگم انور جی احمد، بیگم شمس النہار محمود۔ ان سات افراد پر کمیشن بنا تھا لیکن پھر تھوڑے عرصہ بعد خلیفہ شجاع الدین کا انتقال ہو گیا تو میاں عبدالرشید کو ان کی جگہ چیئرمین بنایا گیا۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ سات میں سے تین خواتین تھیں اور چار مرد تھے اور ایک ان میں عالم دین یعنی مولانا احتشام الحق تھانوی۔ یعنی مردوں اور عورتوں میں ایسا کوئی بھی نہ تھا جو علم دین کی سند لیے ہوئے ہو کسی نے اس کا مطالعہ کیا ہو۔ لیکن ذرا اس کا تقابل کیجیے میں سوچ رہا ہوں کہ آج حالات کا رُخ کدھر ہے ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ ۱۹۵۵ء کے اس کمیشن کا آپ ذرا ۱۹۸۵ء کے کمیشن سے تقابل کریں جو اس حکومت نے بنایا ہے۔ اس میں خواتین کی تعداد میں وہاں سات میں سے تین تھیں مگر یہاں ساری خواتین ہیں مردوں میں سے ملا کر صرف ایک مرد اور وہ خالد اسحاق صاحب ایڈووکیٹ ہیں جن کا تعلق [illegible] سے ہے۔ علماء دین کا اس کمیشن میں صرف ایک نام تھا مگر یہاں بالکل صفر ہو گیا کہ حالات اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ جو اقبال نے مزاحیہ شعر میں کہا تھا کہ:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ہم نے جو ترقی کی راہ اختیار کی تھی اور ۱۹۵۵ء میں اس کا جو [illegible] تھا وہی انتہائی [illegible] ۱۹۸۵ء میں اس کے لیے جو کمیشن قائم ہوا ہے وہ اس سے بھی دس قدم آگے ہے کہ وہاں ایک عالم دین تو تھا مگر یہاں ایک بھی نہیں ہے۔ یہ موازنہ ہے اس سے حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں یا کس سمت سے دور جا رہے ہیں؟ بہرحال یہ جو کمیشن قائم ہوا اس نے ایک رپورٹ تیار کی یہ رپورٹ ۲۰ جون ۱۹۵۵ء کے [illegible] گزٹ میں شائع ہوئی [illegible] وہ باتیں [illegible]

میں کمیشن وجود میں آیا۔ ۱۹۵۶ء کے ۲۰ جون سے سرکاری گزٹ میں اس کی رپورٹ شائع ہوئی اور اس ساری رپورٹ سے عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ انہوں نے اس رپورٹ پر اپنی طرف سے اختلافی نوٹ لکھا۔ باقی لوگوں نے جو رپورٹ دی تھی وہ دے دی گئی ہے پھر صدر ایوب صاحب نے جب مارشل لاء [illegible] کی حیثیت سے ۱۹۶۱ء یا ۱۹۶۲ء میں [illegible] لیا اور پھر ان فیصلوں کو پورے قانون کی [illegible] کا جزو بنا دیا جو آج تک اس ملک میں نافذ ہے [illegible] قائم کرنے کے بعد [illegible] علمائے کرام سے ہم [illegible] اجازت نہیں ہے مثلاً یہ عائلی قوانین میں [illegible] اس میں تمہیں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے [illegible] یہ درحقیقت تہذیب نظام اور مذہب کی تین چیزوں کے درمیان [illegible] کہ بدترین سیکولر نظام میں بھی آزادی ہوتی ہے [illegible] آزادی آج ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے [illegible] نماز پڑھو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے [illegible] درحقیقت [illegible] مسلمان معاشی طور پر بہتر ہو رہے ہیں اور جب انہیں یہ [illegible] ہوتا ہے کہ مسلمان معاشی اعتبار سے [illegible] ہو جائے گا تو وہاں قتل عام ہوتا ہے۔ احمد آباد کا مسلمان معاشی [illegible] سے بہتر ہو رہا تھا تب یہ فساد ہوا تھا۔ اصل سبب تو یہ ہے ورنہ مذہبی اعتبار سے تو انگریز بھی مسلمانوں کے لیے خطرناک نہ تھے۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ دن میں دو نمازیں پڑھو تمہیں کیا ہے [illegible] اقتدار کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کرو۔ تو [illegible] نمازیں [illegible] کیا بگڑتا ہے شراب پینے پر میں تمہیں مجبور نہیں کرتا [illegible] نہیں پیتے تو نہ پیو [illegible] دخل کے اندر کوئی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیے۔

یہی معاملہ سیکولر نظام کا ہے کہ وہاں [illegible] کے اندر اگر کوئی ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والا نہ ہو تو انہیں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والوں سے کوئی گلہ نہیں ہے تو وہ آزادی بدترین سیکولر نظام میں بھی حاصل ہے امریکہ میں بھی حاصل ہے آپ کو معلوم ہے [illegible] [illegible] وہاں ایک [illegible]

ہندوستان میں سیرت النبی کے جلسہ میں چار لاکھ افراد کا مجمع تھا

[illegible]

... اس وقت تو تمام ... لیڈر ... تھے ... [illegible]

... ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا ... [illegible]

... مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ... [illegible]

... نے یہ کیا تھا کہ پہلے ... [illegible]

[illegible]

عیسائیت آج صرف سُولی کے واقعہ سے زندہ ہے

مولانا ابو یحییٰ، مولانا عبدالستار خان نیازی لاہور اور دو حضرات نے اس کے بعض حصوں سے اختلاف کیا۔ وہ بھی عبارت سے۔ باقی یہ کہ جو اصل مضمون ہے اُس سے اتفاقِ کامل کا اظہار کیا۔

اب میں آپ کو بتا دوں کہ ہمارے اس طرزِ عمل کی وجہ کیا ہے۔ اس کا ایک سبب مثبت اور دوسرا منفی ہے۔ مثبت سبب یہ ہے کہ یہ ملک ہم نے اس ارادے کے تحت حاصل کیا تھا کہ یہاں کامل اسلامی نظام قائم کریں گے۔ تو جو دینی عناصر اس جدوجہد میں شامل ہوئے تھے، یہاں کی سیاست یہاں کا نظام اور یہاں کا معاشرہ بہ تمام و کمال اسلام کے مطابق ہو جائے اور وہ اس وقت جس طرز میں جدوجہد میں شامل ہوئے ہیں اُسے خارج از بحث مت دیکھیے۔ شاید ان کا ذہن یہ ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں پہ جنگ لڑنے کے بجائے پورے اسلام کے اُوپر ہی جنگ لڑیں گے لیکن درحقیقت اس کا جو منفی رُخ ہے آپ اُسے پہچانیے۔ وہ منفی رُخ کیوں پیدا ہوا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے غلبے کا راستہ الیکشن کا راستہ اختیار کیا گیا ہے حالانکہ اسلام کے غلبے کا راستہ الیکشن کا راستہ ہرگز نہیں ہے۔ آج ہمارے یہاں کا بڑا ووٹ بینک اُن لوگوں کا ہے جو ووٹ دیتے ہیں اور ووٹوں میں شاید پچاس فیصد سے بھی زائد ووٹ جو ہیں وہ عورتوں کے ہیں اور عورتوں کے اندر بڑا مضبوط ووٹ بینک ایسا پیدا ہو چکا ہے جو اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تیار نہیں اور ہمارا پریس جو ہے اس کو عملی سپورٹ دے رہا ہے اور نمایاں کر رہا ہے۔ اُن کی جو انتہائی نامعقول اور غیر معقول بات ہو اسے بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کرتا ہے۔

حالانکہ اسلام کا راستہ تو انقلابی راستہ ہے۔ وہ انقلابی راستہ کہ ایسے committed لوگوں کی جماعت بنائی جائے جو اسلام کے لیے تن من دھن دینے کے لیے تیار ہوں جو حق کو حق اور باطل کو باطل کہیں گے انہیں اس کی پرواہ نہیں ہو گی کہ کون ناراض ہوتا ہے اور کون راضی ہوتا ہے؟ یہ ایک پریشر گروپ ہے۔ چاہے اس معاشرے میں عمل دخل نہ ہو چاہے وہ اقتدار کے کہیں آس پاس بھی نہ ہوں لیکن یہ بات معاشرے کے اوپر یقیناً اثر انداز ہو سکتی ہے کہ کھرے کھرے حق بات کہی جا رہی ہے اسلام کی صحیح تعلیمات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ چیز ہو گی کہ جس سے حوصلے پیدا ہوں گے عوام کے اندر بھی جذبہ ابھرے گا۔ تو میرے نزدیک اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف ہمارے علماء اور مذہبی جماعتیں شاید اس بنا پر خاموش ہیں کہ جب پورے دین کو یہاں قائم کریں گے تو تب اس کو بھی درست کر لیں گے۔ فوری طور پر ان چیزوں کے اوپر محاذ آرائی کر لینا شاید کچھ زیادہ مفید نہ ہو لیکن اس کا منفی رُخ اس وجہ سے پیدا ہو گیا ہے کہ دین کے غلبے کے لیے جو انہوں نے راستہ منتخب کیا وہ انتخابات کا راستہ ہے۔ اس انتخابات کے راستے میں آدمی کو دیکھنا پڑتا ہے۔ ووٹر ہے جس کے پاس فیصلہ کن اختیار ہے کہ کس کو وہ ووٹ دے گا اور کس کو ووٹ نہیں دے گا۔ ووٹر کو ناراض کر دینا کسی ایسے شخص کے لیے ممکن نہیں ہوتا جو اس راستے سے آگے بڑھنا چاہ رہا ہو۔ چاہے وہ ذاتی اقتدار طلبی کی ہوس کی وجہ سے آگے بڑھنا چاہ رہا ہو، چاہے وہ دین کو غالب کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہو۔ یہ تو معاملہ اس کی نیت کا ہے۔

بہرحال یہ میرے اور آپ لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ہمارا رُخ کدھر ہے۔ اسلام کے نعرے لگ رہے ہوں، اسلام کے لیے بہت سی نیپ ٹاپ کر دی گئی ہو، سیرت النبی کے جشن منائے جا رہے ہوں، کروڑوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہو، باہر سے مہمانوں کو بلایا جا رہا ہے اور ایک ایک مہمان جو ہے وہ کہاں سے آتا ہے؟ کہاں سے اس کا خرچ آتا ہے؟ یہ اس ملک کے غریب عوام ہیں یہ جن کے ٹیکس اور اُن کی کمائی کا حصہ ہے لیکن اگر ہم یہاں کی صورتحال کا ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبہ اسلام سے تقابل کریں تو ہمیں بہت فرق محسوس ہو گا۔ میں نے پاکستان میں سیرت النبی کے جلسوں میں کبھی دو یا چار لاکھ کے مجمعے نہیں دیکھے اور نہ سنے جتنے جلسوں کے جب ہندوستان میں چار لاکھ افراد کا اجتماع سیرت النبی کے جلسے میں ہوتا ہے جو رات چھ گھنٹے تک انتہائی سکون کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ جتنے دن میں نے وہاں گزارے آپ سوچتے ہیں جتنے دن نظر آتے ہیں اُس میں نصف تعداد خواتین کی ہے اور وہاں کی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہے۔ تمام خواتین برقعوں کے اندر تھیں۔ وہاں آپ کو مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئے گی۔ ہمارے یہاں جشن کو خود منایا جاتا ہے۔ جیسے کہ ریل پیل ہے لیکن دو لاکھ افراد کا جلسہ چھ گھنٹے تک جاری رہنا پاکستان میں میں اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ تو میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ جوش و خروش دیکھا ہے۔ وہ لڑ رہے ہیں۔ جو اُن کے مخالف ہے ماحول ناسازگار ہے۔ وہ دبے ہوئے ہیں، پسے ہوئے ہیں، معاش کے دروازے اُن پر بند ہیں۔ ایک طبقہ اُن میں بھی ایسا پیدا ہو گیا ہے جو انگریز کے دور میں انگریز بن گئے تھے، وہ اس دور میں کافی حد تک ہندو تہذیب کی طرف راغب ہو گئے ہیں اگر اس زمانے میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی بیٹی ایک سکھ سے شادی کر سکتی تھی اور قائداعظم کی بیٹی ایک پارسی سے شادی کر سکتی تھی تو وہاں بھی کچھ ایسی مثالیں ہوئی ہیں کہ مسلمان لڑکیوں نے ہندو لڑکوں سے شادیاں کر لیں ہیں لیکن یہ طبقہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ مسلمان عوام الحمدللہ کے فضل سے بیدار ہیں۔ اُن کی حس اُن کی حمیت اور اُن کی غیرت بیدار ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد

(بشکریہ سیارہ ڈائجسٹ)

HIKMAT-E-QURAN

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت

تاکہ امّت کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ